دیوانِ فانی

(انتخاب)

تجزیہ و تنقید اور مستند حالاتِ زندگی

ملک حسن اختر

مکتبۂ میری لائبریری لاہور ۲

میری لائبریری ہی میں پہلی مرتبہ ۱۹۷۴ء

بار اوّل   گیارہ سو

ناشر: بشیر احمد چودھری ڈائرکٹر مکتبہ میری لائبریری لاہور

طابع: آلِ بشیر پرنٹرز سرکلر روڈ۔ لاہور

بشیر احمد چودھری کے نام ـــــ

جو عرصہ دراز سے اردو زبان و ادب کی
خدمت میں مصروف ہیں اور نئے لکھنے والوں
کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں!

ترتیب

فانیؔ اور اُن کی شاعری

ان کا نام شوکت علی اور تخلص فانیؔ ہے۔ ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو قصبہ اسلام نگر ضلع بدایوں میں پیدا ہوگئے۔ ان کے والد شجاعت علی خاں پولیس میں ملازم تھے ان کے آبا و اجداد پٹھان تھے اور ان کا اصلی وطن کابل تھا۔ شاہ جہاں کے عہد میں ان کے بزرگ ہندوستان آئے۔ مغل بادشاہوں نے ان کو اور ان کی اولاد کو ممتاز عہدوں پر فائز کیا۔ فانیؔ کے پردادا نواب بشارت خاں بدایوں کے گورنر تھے۔

ان کے خاندان میں صرف مذہبی تعلیم کی طرف توجہ دی جاتی تھی۔ فانیؔ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کالج کی صورت دیکھی۔ انھوں نے ۱۹۰۱ء میں بریلی کالج سے بی۔اے پاس کیا اور وزیرآباد میں بطور سیکنڈ ہیڈ ماسٹر نوکری کرلی۔ بعد میں وہ اسلامیہ سکول اٹاوہ میں آگئے۔ یہاں ان کو ایک طوائف سے عشق ہو گیا مگر ان کی یہ محبوبہ جوانی میں ہی مرگئی۔ ۱۹۰۵ء میں وہ ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے مگر ملازمت

چھوڑ کر واپس بدایوں آگئے۔ ۱۹۰۸ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور لکھنؤ میں وکالت شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ لکھنؤ میں بھی انھیں ایک طوائف سے محبت ہو گئی تھی۔ ان کی طبعی آرام طلبی اور عاشق مزاجی ان کی وکالت کی راہ میں حائل ہو گئی اور وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے ۱۹۱۷ء میں ان کے والد وفات پاگئے ۱۹۲۳ء تک وہ لکھنؤ میں وکالت کرتے رہے پھر آگرہ آگئے۔ ۱۹۳۲ء میں حیدرآباد روانہ ہوئے جہاں مہاراجہ کشن پرشاد نے ان کی بڑی قدر کی اور ان کو دارالشفا ہائی سکول بلدہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا مگر جلد ہی مہاراجہ ان سے ناراض ہو گئے اور ان کا تبادلہ نانڈیڑ کر دیا۔ یہ جگہ فانیؔ کو قطعاً پسند نہ تھی چنانچہ فانی نے ۹۴۳ء میں یہ ملازمت ترک کر دی۔ اس وقت ان کی مالی حالت سخت خراب ہو گئی تھی، اس لئے وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئے۔ اب وہ ریڈیو پر غزلیں سنا کر گذر بسر کا سامان پیدا کرتے تھے۔ آخر ۲۷ اگست ۱۹۴۱ء[1] کو دو ماہ کی مسلسل علالت کے بعد اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ پروفیسر حامد حسن قادری نے تاریخ کہی :

در لحد رفت غریب الوطنے

۱۳۶۰ھ = ۱۳۱۸ + ۴۲

فانیؔ نے گیارہ سال کی عمر میں مشقِ سخن شروع کر دی تھی۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ پہلے وہ شوکت تخلص کرتے تھے۔ بعد ازاں انھوں نے فانیؔ تخلص اختیار کر لیا۔ ۱۸۹۸ء میں ان کا پہلا مجموعہ کلام تیار ہو گیا تھا مگر اس کو ان کے والد نے نذرِ آتش کر دیا۔ ۱۹۰۶ء میں انھوں نے اس دیوان کو دوبارہ ترتیب دیا مگر بدقسمتی

[1] "فانی ذات" از دیبی پرشاد۔ شائع کردہ کتابستان الہ آباد کراچی۔ قاضی عبدالغفار صاحب نے "آیاتِ فانی" کے مقدمے میں ۲۶ اگست لکھی ہے۔

سے یہ پچھوری ہو گیا۔ ۱۹۲۰ء میں ان کا پہلا دیوان شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ کلام باقیاتِ فانی کے نام سے ۱۹۲۶ء میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مجموعے کے ساتھ شائع ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں دیوانِ فانی نقیب پریس بدایوں سے شائع ہوا جس میں سارا کلام جمع کر دیا گیا۔[1]

۱۹۳۹ء میں ان کا مجموعہ عرفانیات کے نام سے انجمن ترقی اردو ہند نے شائع کیا۔ اس میں قدیم و جدید کلام جمع کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں وجدانیاتِ فانی کے نام سے ایک مجموعہ ان کے صاحبزادے نے شائع کیا جس میں آخری زمانے کا کلام ہے۔ ۱۹۴۶ء میں کلیاتِ فانی شبیر علی خانی صاحب نے مرتب کیا جس میں فانی کا سارا کلام جمع کر دیا گیا ہے۔ اس پر قاضی عبدالغفار صاحب نے مقدمہ تحریر کیا لیکن آج کل یہ بھی بازار میں نایاب ہے اور یہی وجہ ہے کہ انتخابِ کلامِ فانی کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

فانی کا بچپن غالب اور میر دونوں سے مختلف انداز سے بسر ہوا۔ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کے فرد تھے اور انھیں میر و غالب کی طرح والد اور چچا کی سرپرستی سے محروم نہ ہونا پڑا۔ انھیں ہر چیز میسّر تھی اور ان کی ہر خواہش پوری کر دی جاتی تھی۔ وہ بہت لاڈلے تھے اور لاڈلے بچوں میں "لینے" کی عادت پڑ جاتی ہے۔ وہ اپنی ہر بات منوا کر رہتے ہیں چنانچہ فانی آرام پرست ہو گئے اور ان میں مصائب کو برداشت کرنے کی صلاحیت بہت کم ہو گئی وہ اتنے آرام پسند تھے کہ ان کے لئے چارپائی سے اٹھنا بھی ایک امر مشکل بن گیا تھا۔ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں وہیں چاہتے تھے چنانچہ خود

[1] فانی۔ از دیبی پرشاد صفحہ ۱۹

کہتے ہیں کہ "چارپائی سے زیادہ آرام کہیں نہیں ملتا" وہ وکالت کے فرائض ادا کرتے چند قدم دور کچہری میں جانا ایک مصیبت خیال کرتے تھے۔ اکثر اوقات وہ موکل کو فیس واپس کر دیتے تھے۔ ان کی آرام پسندی اور تساہل کا یہ عالم تھا کہ ان دستاویزوں کو جن کے ذریعے رہن اور بیع کے معاملات طے ہوتے تھے پڑھتے نہ تھے۔ اس کے باوجود وہ تکلف اور آسائش سے رہنا چاہتے تھے چنانچہ ان کے ایک سیرت نگار لکھتے ہیں کہ "لباس میں تکلف ہوتا تھا مکان آراستہ رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ بہتر سے بہتر مکان کرائے پر لیں مردانے میں بغیر اچکن پہنے ہوئے نہ آتے تھے" آگے چل کر ان کے یہی سیرت نگار لکھتے ہیں کہ "یہی وجہ ہے کہ ثروت سے تہی دستی تک سارے مراحل جس قدر تیزی کے ساتھ فانی نے طے کئے اس کی نظیر بہت کم ملے گی۔"[1] چنانچہ عالی شان مکان اور جائداد سب چند دنوں میں ہاتھ سے نکل گئے اور انھیں معاشی پریشانیوں نے آگھیرا۔ اگرچہ وہ ان پریشانیوں سے نجات پا سکتے تھے لیکن ان کی کاہلی، سستی اور آرام پسندی نے انھیں کسی قابل نہ رکھا۔ اس کے باوجود وہ ایک لاڈلے بچے کی طرح چاہتے تھے کہ ان کی ساری خواہشیں پوری ہو جائیں اور جب یہ خواہشات پوری نہ ہوتی تھیں تو مایوسی کے سیاہ بادل ان کے ذہنی افق پر چھا جاتے تھے۔ اس مایوسی نے ان کے ہاں شدید غم کی کیفیت پیدا کی اور وہ زندگی سے بےزار ہو گئے ؎

دبی زبان سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ
بس اب زہر ہی دے زہر میں دوا نہ ملا

[1] فانی کی سیرت از محمد سبطین (فانی ص۱۰۹)

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ امڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے

نامرادی حد سے گزری حالِ فانیؔ کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہے اک جنازہ آہِ بے تاثیر کا

یوں نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات
چھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سُلا دیا

اسی کو تم مگر اہلِ دنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہے

اور جب فانیؔ ان مشکلات کو برداشت نہ کر سکے تو میرؔ اور غالبؔ کی طرح بے اختیار رونے لگے مگر ان کے رونے کا انداز ان دونوں سے مختلف ہے ؎

کچھ اس طرح تڑپ کر میں بے اختیار رو دیا
دشمن بھی چیخ اٹھا بے اختیار رو دیا

ہمیں تری محبت میں فقط دو کام کرنے ہیں
جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

فانیؔ رو رو کر خاموش ہو جاتے ہیں اور یہ رونا آتشِ خاموش بن کر ان کے دل کو

جلاتا ہے۔ مگر تیر کبھی خاموش نہیں ہوتے اور آنسوؤں کی بارش برستی ہی رہتی ہے ؎

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لوہو آتا ہے جب نہیں آتا

اسی دوران میں فانی کسی کی چشم ستزاہی کا شکار ہوگئے اور عشق میں جو سختیاں ان کو جھیلنی پڑیں انھوں نے فانی کے غم کو اور شدید کردیا۔ ان کے لئے محبوب کی ہر آن ایک فتنہ اور ہر ادا ایک قیامت ہے۔ جس طرح وہ زندگی کے میدان میں شکست کھا گئے تھے اسی طرح انھیں میدانِ شوق میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، جس سے ان کی ساری امیدیں ختم ہوگئیں اور وہ جی چھوڑ بیٹھے ؎

شوق میں ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا
ساری امیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

ہم بتا چکے ہیں کہ فانی آرام پسند اور راحت طلب واقع ہوئے تھے۔ عشق نے ان کے راحت طلب دل کو برباد کر کے رکھ دیا ؎

قیامت ہے یہ ٹکڑا داستانِ عشق کا یعنی
مرے راحت طلب دل کا اذیت کوش ہو جانا

عشق نے ان کے دل پر کیا کیا ظلم توڑے، اس کا ہلکا سا نقشہ ذیل کے اشعار پیش کرتے ہیں ؎

فانی اب اپنی زندگی حسن عتاب یار ہے
دیکھئے مرگِ ناگہاں لائے پیام یار کیا

دل کو یادِ نشاطِ وصل نہ چھیڑ
غم میں گزری ہے غم میں گزرے گی

شبِ وعدہ خدا نا کردہ وہ آئیں نہ موت آئے
تو پھر اسے زندگی تو موت کا آغوش ہو جانا

اس جانِ تمنا سے بے پردہ نہ شکوہ کر
وہ تجھ سے خفا ہے تو جینے سے خفا ہو جا

سمائیں آنکھ میں کیا شعبدے قیامت کے
مری نظر میں ہیں جلوے کسی کے قامت کے

فانی اتنے حساس ہیں کہ محبوب ذرا ناراض ہو تو انھیں کائنات کی نبض رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ؎

میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

یہ حالت تو محبوب کا مزاج "کچھ برہم" ہونے کی صورت میں ہے اور اگر محبوب کا مزاج پوری طرح برہم ہو جائے تو نہ معلوم فانی پر کتنی قیامتیں ٹوٹ پڑیں گی ؎

حشر کو بھی ہے دُور کی نسبت　　چشم بد دور اس جوانی سے
کچھ خبر بھی ہے روٹھنے والے　　زندگی روٹھتی ہے فانی سے

مری اک عمر فانیؔ نزع کے عالم میں گذری ہے
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اُجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے

چنانچہ وہ بھی عشق کو میر تقی میرؔ کی طرح کوستے ہیں ؎

آپ اپنی آگ میں اے غمِ عشق جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا

ان مصائب کے علاوہ فانیؔ کو اپنے اہلِ وطن سے بھی شکایتیں تھیں، انھوں نے فانیؔ کی کوئی مدد نہ کی بلکہ ان کے ساتھ بُرا سلوک کیا اور یوں ان کے مصائب میں اور اضافہ ہو گیا، چنانچہ انھوں نے اپنے کلام میں وطن اور اہلِ وطن کی بے رُخی ستم گاری اور اذیت دہی کی کئی مقامات پر شکایت کی ہے ؎

لو آج مرگِ فانیؔ بے کس سے مٹ گئی
وہ ایک خلش جو خاطرِ اہلِ وطن میں تھی

خاکِ وطن ہی راس نہ آئی غربت تو پھر غربت ہے　　فانیؔ اپنی خانہ بدوشی خانہ ویرانی کیا کہیئے

زمینِ حشر فانیؔ کیا قیامت ہے معاذ اللہ
مجھے اپنے وطن کی سی زمیں معلوم ہوتی ہے

محمد سبطین صاحب ایک سوال اٹھاتے ہیں :

" شکوے کرنے کے لئے گردشِ چرخ اور جورِ صیاد کے علاوہ فانیؔ کے مخصوص مہرباں یعنی "ثباتِ حیات بے ثبات" اور نامرادوں کی مرادِ جانِ فانیؔ کچھ کم نہ تھے پھر اہلِ وطن اور وطن کو ستم گاروں کی فہرست میں شامل کرنا کیا ضروری تھا؟" فانیؔ کو وطن نے کیا دیا، کچھ بھی نہیں بلکہ جو کچھ آبا و اجداد نے جمع کیا تھا اسے بھی اہلِ وطن (وہ ساہوکار اور مہاجن بھی اہلِ وطن ہی میں سے تھے جنھوں نے فانیؔ کی زمین اور مکان چھین لئے) نے چھین لیا۔ وطن میں انھیں پیٹ بھرنے کے لئے روٹی نہ ملی (یہاں وطن محدود معنوں میں استعمال ہو رہا ہے، اور فانیؔ کی شاعری میں بھی) تو انھیں لکھنؤ، اٹاوہ، آگرہ اور بالآخر دکن جانا پڑا اور دکن میں ہی غریب الوطن ہو کر انھوں نے جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔ وطن نے انھیں دو گز زمین بھی نہ دی کہ وہ مرنے کے بعد آرام سے ابدی نیند سو سکیں۔ چنانچہ فانیؔ نے اگر وطن اور اہلِ وطن کی شکایت کی ہے تو یہ کچھ بے جا نہیں۔

ان ساری مصیبتوں نے مل کر ان کی تمناؤں کا خون کر دیا اور وہ حسرتوں میں بدل گئیں۔ ان کی شاعری میں کئی غزلوں کی ردیف تمنا ہے اور وہ ان تمناؤں کو یاس کی نظرِ بد سے بچا کر رکھنا چاہتے ہیں لیکن فانیؔ "نظرِ یاس" سے دل کو بچا کر محفوظ نہ رکھ سکے اور زمانے کے بے رحم ہاتھوں نے ان کی تمناؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے پاس نہ کوئی تمنا رہی اور نہ سامانِ تمنا ؂

مُدت سے ہے دِل خانۂ ویران تمنّا
اب کوئی تمنّا ہے نہ سامانِ تمنّا

تمنّا یا آرزو کا پاس نہ رہنا فانیؔ کی حد سے بڑھی ہوئی مایوسی کو ظاہر کرتا ہے اور ان کا فلسفۂ زندگی علّامہ اقبالؔ کے فلسفۂ زندگی کے بالکل برعکس ہو جاتا ہے اقبالؔ کے نزدیک آرزو یا تمنّا زندگی کی علامت ہے اور ان کے فلسفۂ خودی کا ایک مضبوط ستون۔ اقبالؔ امید کا شاعر ہے تو فانیؔ مایوسی کا۔ جوں جوں فانیؔ کی تمنّائیں خاک میں ملتی گئیں مایوسی کے گہرے سائے ان کی طرف بڑھتے گئے اور پھر ایک مقام ایسا آیا کہ وہ یاس کی تاریکیوں میں کھو گئے۔ اقبالؔ کو آرزو بے حد عزیز ہے اور وہ زندگی کی ہر منزل پر ان کے ساتھ رہتی ہے۔ جب سارے ساتھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں تو اس وقت بھی آرزو ان کے ہمرکاب رہتی ہے اور اُن کا حوصلہ بلند رکھتی ہے ؎

راہِ محبّت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ مرے رہ گئی ایک مری آرزو

"راہِ محبّت" میں فانیؔ کا ساتھ بھی سب چھوڑ دیتے ہیں۔ اس پُرخار وادی کو طے کرنے کے لئے آرزو بھی ان کے ساتھ نہیں ؎

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنّا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

اقبالؔ کے ہاں جو آہ دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے لیکن فانیؔ کی آہوں نے دنیائے اثر سے منہ موڑ لیا ہے ؎

یہ سایہ بھی اٹھا امید کے سر سے
منہ موڑ لیا آہوں نے دنیائے اثر سے

چنانچہ بالآخر وہ دنیا سے مایوس ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ اس دنیا کی ہر چیز ان کے خلاف صف آرا ہے۔ اور وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اگر کوئی بات کبھی اتفاقیہ بھی ان کے خلاف ہو جاتی تو وہ اس کو بھی عناصر کی سازش سمجھتے تھے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں:

"گاڑیاں ہمیشہ وقت پر جاتی اور وقت پر آتی ہیں مگر جس روز میں سفر کرتا ہوں گاڑی کبھی نہ وقت پر آتی ہے اور نہ وقت پر جاتی ہے"۔

تمنّا اور آرزو میں جستجو اور تڑپ پائی جاتی ہے جو زندگی کی علامت ہے۔ علامہ اقبال زندگی کے شاعر ہیں کیونکہ وہ آرزو کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے اور فانی موت کے شاعر کیونکہ نہ ان کی "کوئی تمنّا ہے اور نہ سامان تمنّا"۔ یاس نے ان کے خانۂ دل کو ویرانِ تمنّا بنا دیا ہے اور انہیں ہر نفس آہِ بے تاثیر کا جنازہ نظر آنے لگا ہے اس کے برعکس اقبال کے ہاں آرزو کا خون اس لئے نہیں ہونے پاتا کہ وہ تخلیق مقاصد میں زندگی کا راز پاتے ہیں۔ جب تک ہمارے پیش نظر کوئی مقصد رہے گا ہم عزم و شاعِ آرزو سے تابندگی حاصل کرتے رہیں گے لیکن جہاں مقاصد نے ہمارا ساتھ چھوڑا ہم مایوسی کے تاریک گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ فانی چونکہ تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لینے کا گُر نہ جانتے تھے اور "ہمّت مردانہ" سے عاری تھے اس لئے مدعائے حیات سے محروم ہو گئے اور موت کا دم بھرنے لگے سے

مری حیات ہے محرومِ مدعائے حیات وہ رہگذر ہوں جسے کوئی نقشِ پا نہ ملا

چنانچہ فانیؔ کی شاعری میں موت کا ذکر جتنی بار آیا ہے کسی اور شاعر کے دیوان میں نظر نہ آئے گا۔ فانیؔ نے زندگی سے منہ موڑ کر موت سے محبت شروع کی جتنی تعریف اقبالؔ نے زندگی کی کی ہے اس سے زیادہ فانی نے موت کی تعریف کی ہے۔ وہ زندگی کو بھی موت بنا دیتے ہیں یا پھر موت کو زندگی کا درجہ دے دیتے ہیں۔ ذیل کے اشعار پڑھیئے موت زندگی سے زیادہ دلکش ہے ؎

موت ہی ساتھ دے تو دے ورنہ
عمر کو عذرِ بے وفائی ہے

آگئی تیرے بیمار کے منہ پہ رونق
جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا

موت ہنستی پہ وہ تہمت تھی کہ آساں نکلی
زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اٹھا

ہے موت ہی اک زندگی دل کا سہارا
جینے کی جو ایسی ہی تمنا ہے تو مر جا

زندگی کیا خود ہے فانیؔ یہ تو کیا کہیے مگر
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

دنیا میری بَلا جانے مہنگی ہے یا سَستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں اس ہستی کی کیا ہستی ہے

فانیؔ کا تخلص بھی اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ فنا ہو جانے کو پسند کرتے ہیں
اس ضمن میں ایک اور بات قابل غور ہے وُہ یہ کہ ان کے بیشتر مقطعوں میں ان کے تخلص کے ساتھ موت کا لفظ استعمال ہوا ہے یا پھر زندگی سے بے زاری کا اظہار ہے یا پھر زندگی سے محبت ہے تو موت کی وجہ سے ہے۔ زندگی خود کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ایسے اشعار میں وہ موت سے پیار کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں غزل میں مقطع اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں شاعر اپنی ذات سے وابستہ خیالات کا اظہار کرتا ہے چنانچہ مقطع باقی اشعار کی نسبت شاعر کی شخصیت کو زیادہ اُجاگر کرتا ہے۔ اس طرح کے بعض اشعار گذشتہ صفحات میں آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں۔ چند شعر اور ملاحظہ فرمایئں ؎

جانِ فانیؔ ترے کرم پہ نثار
تو نے بخشی حیاتِ مرگ نواز

ہجر نے کی مفارقت فانیؔ
لے مبارک ہو موت کا آغوش

آج روزِ وصالِ فانیؔ ہے
مَوت سے ہو رہے ہیں نازو نیاز

ہر گھڑی عمرِ گذشتہ کی ہے میّت فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جیئے جانے کا

یہ کیا کہتے ہو فانیؔ سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

اب پلٹ نہ فانیؔ اے مرگ جان لے جا
فانی کے سر پہ تیرا احسان رہ نہ جائے

میرے خیال میں کوئی شاعر ایسا نہیں جس نے اس قدر موت کا ذکر کیا ہو اور خاص طور پر جس کے مقطعوں میں موت کا اتنا ذکر آیا ہو۔ فانیؔ کے مقطعوں کو بجا طور پر موت کے مقطعے کہا جا سکتا ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ فانیؔ آرام پسند اور کاہل واقع ہوئے تھے اور چارپائی میں سکون پاتے تھے۔ دراصل اسی آرام پسندی نے ان کو سکون پسند بنا دیا تھا وہ بک بک جھک جھک کو پسند نہ کرتے تھے۔ اسی لئے بیع ناموں پر بغیر دیکھے دستخط کر دیتے تھے۔ وہ مشاعروں میں بھی شرکت کو پسند نہ کرتے تھے کیونکہ وہاں شور و غوغا ہوتا ہنگامہ ہوتا ہے۔ وہ گھر کی چار دیواری میں اس لئے رہتے تھے کہ وہاں سکون ہوتا ہے۔ وہ غالبؔ کی طرح ایک ہنگامے کو گھر کی رونق نہیں سمجھتے تھے بلکہ سکون میں رونق دیکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی شاعری میں بھی حرکت کی بجائے سکون پایا جاتا ہے۔ غالبؔ اور فانیؔ کے اس مزاجی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر

کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

"فانیؔ نے اپنے اشعار میں طرزِ غالبؔ کی کامیاب پیروی کی ہے، لیکن ان میں ایک طرح کی ثقالت ہے یہ غالبؔ کی لفظی ثقالت نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فانیؔ کے دماغ کی رفتار آہستہ ہے، یہ اپنی منزل تک کامیابی سے پہنچ جاتا ہے لیکن اس کی رفتار میں وہ تیزی، وہ سبک رفتاری نہیں جو اکثر غالب میں اپنا رنگ دکھاتی ہے۔"

تیزی اور سبک رفتاری تو فانیؔ کی زندگی میں کہیں بھی نظر نہیں آتی جس طرح غالب اپنی پنشن کے حصول کے لئے ایک لمبے عرصے تک جدوجہد کرتے رہے فانیؔ ہوتے تو پنشن سے ہی کنارہ کش ہو جاتے۔ غالبؔ مرہم کی جستجو میں اتنا گھومے پھرے کہ ان کے تن سے زیادہ پاؤں زخمی ہو گئے ے

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پاؤں

غالب اپنے اسی حرکی مزاج کی وجہ سے موت کو دلکش نہ سمجھتے تھے۔ وہ شعر ملاحظہ ہوں ے

تھا زندگی میں مَوت کا کھٹکا لگا ہوا
اُڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد وستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اَور

ان کے نزدیک زندگی ہر حال میں موت سے بہتر ہے۔ دکھ درد اور رنج سے بھری ہوئی زندگی کو بھی وہ عزیز رکھتے ہیں۔ وہ سازِ ہستی کو خاموش نہیں دیکھ سکتے۔ نغمۂ شادی نہ ہو تو نہ سہی وہ نوحۂ غم ہی کو غنیمت سمجھتے ہیں ؎

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

وہ حوادث کی فلسفیانہ توجیہہ کر لیتے ہیں اور ان کو استاد کا تھپڑ قرار دیتے ہیں جو شاگرد کو راہ راست پر لانے کے لیئے ضروری ہے ؎

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیٔ اُستاد نہیں

چنانچہ مرنا اُن کےلیے خوب صورت اور حسین چیز نہیں۔ وہ زندگی کی دھڑکنوں سے پیار کرتے ہیں اور ان کو جنّت کی رعنائیوں کا حامل سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس دنیا کی زندگی ان کے نزدیک جنت سے کہیں زیادہ دلپذیر ہے ؎

دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے
نشہ باندازۂ خمار نہیں،

خون ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

بھلا ایسا شخص موت سے کیسے پیار کر سکتا ہے۔ جو زندگی کی مسرتوں سے بسترِ مرگ پر بھی لطف اندوز ہونے کی خواہش رکھتا ہو ؎

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

غالب کے علاوہ میرؔ بھی ہمہ کی مزاج کے حامل تھے اسی لئے ان کے ہاں آنسوؤں کی روانی تو ہے لیکن موت کا سکون نہیں ہے۔ میرؔ نے بھی غالب کی طرح تلاشِ معاش میں بڑے ہاتھ پاؤں مارے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ قسمت نے یاوری نہ کی لیکن میرؔ عالم کی سیر کرکے اپنا جی بہلاتے رہے۔

عالم کی سیر میرؔ کی صحبت میں ہوگئی
طالع سے ہاتھ میرے یہ بے دست و پا لگا

مکے گیا مدینے گیا کربلا گیا   جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آگیا

وہ بھی موت میں کوئی دلکشی نہیں دیکھتے۔ موت سے ملنا ان کے لئے محبوب سے ملنا نہیں ہے بلکہ زندگی کی رعنائیوں سے معذور ہونا ہے۔ دیکھئے لوگوں کے پردے میں میرؔ اپنا آپ ماتم کر رہے ہیں ؎

پڑھیں شعر رو رو لوگ سارے
رہے گا دیر تلک ماتم ہمارا

کیا دلکش ہے بزم جہاں کی جاتے یہاں سے جس کو دیکھو
وہ غم دیدہ رنج کشیدہ آہ سراپا حسرت ہے

پھر میرؔ فانی کی طرح موت کو منزلِ مقصود نہیں سمجھتے بلکہ یہ تو منزل کی طرف

جاتے ہوئے ایک پڑاؤ ہے یا اک ماندگی کا وقفہ۔ اور یوں وہ موت کے غم کو ہلکا کر لیتے ہیں ؎

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

لیکن فانی کی سکون پسند طبیعت نے موت کو پسند کیا اور وہ اس سے پیار کرنے لگے۔ میر پر بھی مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا مگر ان کے ہاں فانی کے مقابلے میں موت کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ تو زندگی میں ہی قیامت کو آتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں مرنا نہیں چاہتے۔ میر کا شعر ہے ؎

امیدوارِ وعدۂ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا

دیکھئے کتنی حسرت ہے اس شعر میں میر کی انانیت مجروح ہوتی ہے تو وہ موت کی خواہش نہیں کرتے بلکہ رونے لگتے ہیں۔ میر کے ہاں جس طرح رونے کا ذکر بار بار ملتا ہے اسی لئے فانی کے ہاں موت کی تکرار ہے۔ فانی آرام پسند تھے اور موت سکون و آرام کی علامت ہے چنانچہ اپنی طبیعت کے تقاضے کے تحت فانی نے موت کو اپنا لیا اور زندگی سے کنارہ کش ہو گئے۔ انھوں نے خود بھی اپنے اس رجحان طبع کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے ؎

فانی سکونِ موت نے دل سے مٹا دیا
وہ نقشِ بے قرار کہ دنیا کہیں جسے

سکونِ قلب بہتر ہے موت ہی سے سہی
غرض کہ خاتمۂ رنج و اضطراب ہوا

مجھ کو مضطر دیکھ کر کہتا ہے فانی پیار سے
آدھر سایہ میں سو جا دامنِ شمشیر کے
مرتے مرتے ہی دلِ بے تاب کو چین آ گیا
زندگی صدقے میں اُتری گردشِ تقدیر کے

اب اسے دار پہ لے جا کے سلا دے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا

اور جب فانی کو موت کی آغوش میں وہ سکون و آرام میسر ہوا جو عاشق کو محبوب کی آغوش میں ملتا ہے تو انھوں نے موت ہی کو اپنا محبوب بنا لیا۔ اور اپنی تمام عمر اس کے وصل کے انتظار میں گزار دی۔ موت ان کی مُراد اور منتہائے مقصود بن گئی ؂

اپنی ساری عمر ہی فانی گزار دی
اک مرگِ ناگہاں کے غمِ انتظار نے

تو کہاں تھی اے اجل، اے نامرادوں کی مراد
مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کئے

انھیں آسمان سے موت کے متعلق ویسی ہی شکایت ہے جیسی دوسرے عاشقوں کو محبوب کے متعلق ہوتی ہے۔ آسمان کوئی فتنۂ خوابیدہ نہ بیدار کر دے جو ان کے اور موت کے درمیان حائل ہو جائے ؎

دیکھئے موت آئے فانی یا کوئی فتنہ اٹھے
میرے قابو میں دل بے صبر و تاب آئے کو ہے

موت ان پر محبوب کی طرح ظلم ڈھاتی ہے۔ اس میں ایک محبوب کی تمام ادائیں اور عتاب کے سارے انداز پائے جاتے ہیں ؎

اڑا لئے ہیں کچھ انداز موت نے فانی
عتاب یار کے روز سیاہ فرقت کے

اور بالآخر جدائی کی شب ختم ہو گئی اور روز وصال طلوع ہوا ؎

شب فرقت کٹی یا عمر فانی
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

ہجر نے کی مفارقت فانی
لے مبارک ہو موت کا آغوش

فانی نے نہا دھو کر نئے کپڑے پہنے اور آراستہ ہو کر محبوب سے ملنے کے لئے چلا لیکن لوگوں کی کور ذوقی ملاحظہ ہو کہ وہ فانی کے اس لباس فاخرہ کو کفن کا نام دے رہے ہیں۔ فانی راہ چلتے چلتے اپنے لباس کو بچا بچا کر رکھتے ہیں تاکہ محبوب تک پہنچتے پہنچتے کہیں میلا نہ ہو جائے اور ساتھ گرد کو تنبیہہ کرتے

ہیں کہ ان کے لباس کو میلا نہ کرے ؎

کفن اسے گرد دیکھ مَیلا نہ ہو جائے
آج ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے

آخر کار وہ محبوب کے آستانے تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ اور موت کا حسین آغوش انھیں حاصل ہو جاتا ہے ——— موت جو فانیؔ کا محبوب ہے اور جس سے وہ ناز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں ؎

آج روزِ وصال ہے فانیؔ
موت سے ہو رہے ہیں ناز و نیاز

فانیؔ نے موت کو اپنا محبوب بنا کر اسے حسن عطا کر دیا ہے اور موت جو کبھی بھیانک اور ڈراؤنی چیز تھی اسے دلکش اور دل فریب بنا دیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فانیؔ موت کا ذکر اتنی بار کرتا ہے کہ جی متلانے لگتا ہے۔ دراصل موت کے متعلق ان کا تصور بھیانک ہے اس لئے وہ موت کا نام سن کر لرز اٹھتے ہیں اور خوف سے ان کے جسم کپکپانے لگتے ہیں ورنہ فانیؔ نے تو موت کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ وہ ایک نشاطیہ نشان بن گئی ہے ؎

میرے دل کو چین آجانے کی ضامن موت ہے
تم کسی دن نبض دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا

وہ جی گیا جو عشق میں جی سے گذر گیا
عیسیٰ کو ہو نوید کہ بیمار مر گیا

دردِ فرقت کی خلش وابستۂ انفاس تھی
مدعائے زندگانی مرکے حاصل ہو گیا

اس کے علاوہ کئی اشعار ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں جو موت کو بھی اک حسین تصور بنا کر پیش کرتے ہیں۔

فانی کی المناک زندگی نے ان کی شاعری کو چار طرح سے متاثر کیا۔ پہلے یہ کہ فانی کے علام پر مایوسی اس طرح چھا گئی کہ وہ ان چیزوں سے بھی جن سے امید جنم لے سکتی ہے، مایوس ہیں زندگی کے متعلق ان کا نظریہ قنوطی ہو گیا۔ اگر در زنداں کھلتا ہے تو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی قیدی آزاد ہو جائے لیکن ان کے ہاں یہ موت کا پیامبر ہے۔ان کی نظر میں کوئی قیدی اس وقت تک رہا نہیں ہو سکتا جب تک جسم کی قید سے رہا نہ ہو جائے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ در زنداں کھلے تو شاید کوئی اور قیدی لایا جا رہا ہو مگر فانی کے ہاں در زنداں قیدیوں کی لاشوں کو ہی باہر لے جانے کے لئے کھلتا ہے ؎

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آپہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

فرقتِ رنجِ اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے ہائے
اب چھری صیاد نے لی اب قفس کا در کھلا

اللہ اللہ اک دعائے مرگ کے دو دو اثر وان کھلا باب اجابت یاں قفس کا در کھلا

دوسرے یہ کہ فانیؔ کی شاعری میں جو تشبیہات اور استعارات استعمال ہوئے ہیں، ان پر بھی انھوں نے مایوسی اور غم کا رنگ چڑھا دیا ہے۔ زندگی ان کے نزدیک مرمر کے جیئے جانے کا نام ہے یا پھر دیوانے کا خواب، کشیرِ جنت ضرور ہے مگر دوزخ میں سموئی ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو میتِ بے گور و کفن، ایسی رہگذر جس کو نقش پا نہ ملے، نازِ پردردۂ غم اور اپنے وجود کو کفر اور زندگی کو گناہ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر نفس عمرِ گزشتہ کی میت، اور دل خانۂ ویرانِ تمنّا، حیات مرگ نواز، اختیار ایک تہمت، موت زندگی کا ہوش، جان کا ناٹا اور تدبیر میت ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ بجائے قدر کے وہ جبر کے نظریے کے قائل ہو گئے، جب کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آئے اور انسان جس کام کو بھی بنانا چاہے وہ بگڑ جائے تو پھر وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس دنیا میں اس کے اختیار میں کوئی چیز نہیں اور اختیار ایک تہمت ہے جو اس پر لگائی گئی ہے۔ چنانچہ وہ میرؔ کے ہم خیال ہو گئے۔ میرؔ نے کہا تھا ؎

ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی
چاہیں ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

اور فانیؔ نے کہا ؎

محشر میں جبرِ دوست سے طالب ہو داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے

فانیؔ تیرے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی ساںچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

اس فلسفۂ جبر کے ساتھ ساتھ فانیؔ نے تصوف کا یہ مسئلہ بھی قبول کر لیا کہ انسان خدا سے جدا ہو کر یہاں آیا ہے اور اب پھر اس سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہے، اس کا وجود وہ سنگِ گراں ہے جسے راہ سے ہٹایا نہ گیا تو منزل کا پانا ناممکن ہے۔ "عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا" والی بات غالبؔ کے ہاں نقطہ ذہنی تھی لیکن فانیؔ نے اسے زندگی کی سختیوں اور ناکامیوں میں پایا ہے چنانچہ اس نے ایک صوفی کے ہم زبان ہو کر نعرہ لگایا کہ ع

مرا وجود کفر مری زندگی گناہ

پہلے تو فانیؔ کو زندگی کے مصائب کا علاج معلوم نہ تھا وہ کہا کرتے تھے ؎

یہ زندگی کی ہے روداد فانیؔ
وجود درد مسلّم علاج نامعلوم

لیکن بہت جلد ان کو یہ علاج موت کی صورت میں معلوم ہو گیا اور یوں ہم ان کے کلام کی چوتھی خصوصیت تک آ پہنچے ہیں، جو مایوسی نے ان کے ہاں پیدا کی۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

یاس نے درد ہی نہیں حق تو یہ ہے دوا بھی دی
فانیؔ نا اُمید کو موت کا آسرا دیا

فانیؔ کے اس موت پرستانہ رجحان کی وجہ سے جوشؔ ملیح آبادی نے انھیں "امام الحزن" کہا ہے۔

مگر فانیؔ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے غم آلود احساس کو غنائیت میں ڈوبی ہوئی شاعری میں پیش کیا۔ ان کے ہاں شاعری ورڈز ورتھ کے قول کے مطابق شدید غم کا بے ساختہ اظہار ہے۔ لیکن انھوں نے اس غم کو غزلیت کا روپ دینے کے لئے مسلسل اور سخت محنت کی ہے۔ انھوں نے اسلوب پر قدرت حاصل کی اور بہترین الفاظ کو بہترین ترتیب سے استعمال کرنے کا گُر سیکھا۔ دراصل ادب میں اسلوب کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ ادب میں ادبیت اسلوب سے آتی ہے۔ پہلے یہ دیکھنا چاہئیے کہ یہ شعر ہے یا نہیں اس کے بعد یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس شعر میں کیا کہا گیا ہے۔ فانیؔ کے شعر سنتے ہی دل میں اُتر جاتے ہیں اور ہم ان کی دلکشی سے مسحور ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک کے تمام تر داویلے کے باوجود شاعری کو اشتراکیت کے پرچار کا ذریعہ نہیں بنایا اور اسی زمانے میں جبکہ لوگ اسلوب سے زیادہ مضمون پر توجہ دیتے ہیں ان کی شاعری کا اسلوب ہمیں متاثر کرتا ہے اور ہمارے احساس کو بیدار کرتا ہے۔ غم اگرچہ ناپسندیدہ چیز ہے مگر فانیؔ کی شاعری میں وہ دلکش رنگ میں نظر آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ قنوطیت کا شکار ہو جاتے ہیں مگر ان کی غزلوں کا رس اور موسیقیت کی جھنکار ہماری توجہ کو جذب کر لیتے ہیں اور غم اور مایوسی کی شدت بھی ہمارے لئے گوارا بن جاتی ہے۔

ایک کامیاب شاعر اپنے قاری کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور فانیؔ کی شاعری میں یہ صلاحیت بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ وہ غزل گو شعرا میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ یہ فانی کے اسلوب کا جادو تھا جس سے مسحور ہو کر رشید احمد صدیقی نے ان کو غالب پر ترجیح دے دی تھی۔ میں فانیؔ کو غالب سے کم تر درجہ کا شاعر

سمجھتا ہوں۔ غزل گو شعرا میں کوئی بھی غالب کی ٹکر کا شاعر نہیں ہے۔ غالب اپنی سلطنت کا واحد بادشاہ ہے۔ غالب کی شاعری میں جذبات کا جو تنوع ہے رنگا رنگی ہے وہ فانی کے ہاں نہیں ہے۔ ان کی شخصیت غالب سے چھوٹی ہے۔ غالب کے ہاں صرف غم نہیں ہے ان کے ہاں ظرافت بھی ہے۔ زندگی کی وسعتیں ہیں اور فکر کی گہرائی ہے فانی کی شاعری میں یہ سب کچھ نہیں۔ ان کے ہاں ذاتی غم کے جذبات کا اظہار عمدہ طریقہ پر ہوا ہے وہ جگر اور حسرت کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ غالب اور اقبال کی بلندی ان کے ہاں نہیں ہے اور وہ ان سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں ؛

ملک حسن اختر

۲۵ر دسمبر ۱۹۷۲ء

۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۴ء

انتخاب

دیوانِ فانی

ردیفِ الف

○

ہوشِ ہستی سے تو بیگانہ بنایا ہوتا
کاش تو نے مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

دل میں اِک شمع سی جلتی نظر آتی ہے مجھے
آکے اس شمع کو پروانہ بنایا ہوتا

تیرے سجدوں میں نہیں شانِ محبت زاہد
سر کو خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

دل تری یاد سے آباد ہے اب تک ورنہ
غم نے کب کا اسے ویرانہ بنایا ہوتا

درد، دے کر دلِ فانیؔ کو بھی مٹا دینا تھا
اس حقیقت کو بھی افسانہ بنایا ہوتا

○

ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا
اک جوش تھا کہ محوِ تماشائے جوش تھا

برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشرِ سکوت
تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا

امیدِ عفو ہے، ترے انصاف سے مجھے
شاہد ہے خود گناہ، کہ تو پردہ پوش تھا

○

تھی ہر تڑپ سکون کی دنیا لئے ہوئے
پہلو میں آپ تھے کہ دلِ ناصبور تھا
بالیں پہ جب تم آئے تو آئی وہ موت بھی
جس موت کے لئے، مجھے جینا ضرور تھا
اٹھ کر چلے تو حشر بھی اٹھنا تھا کیا ضرور
ان کی گلی سے مدفنِ فانؔی تو دُور تھا

○

عشق کی دُنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی
تھا جو کچھ تیرے سوا ہی آغوش تھا
دل کی ہر کروٹ میں، اک دنیا بنی اک مٹ گئی
ہائے ان دو حرفوں کی بوندوں میں کتنا جوش تھا
کیا یہ فانؔی کر رہا تھا عالمِ ہستی کی سیر
آگے آگے بےخودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا

○

ہم جی سے گزر جانا آسان سمجھتے تھے
دیکھا تو محبت میں، یہ کام بھی مشکل تھا

ہر باطل و ہر ناحق، اِک رازِ حقیقت ہے
جس شکل میں حق آیا وابستۂ باطل تھا
ہاں آپ کسی کو یوں برباد نہیں کرتے
یہ فانیؔ ناکارہ سچ ہے اسی قابل تھا

○

کیوں جفا کیش کبھی تو بھی جفا کوش نہ تھا
وہ بھی دن تھے، کہ خود اپنا ہی تجھے ہوش نہ تھا
اب جو ہیں، تو نے وہ کی تھیں نہ بلائیں نازل
زلف بر دوش نہ تھا، غیر سے ہم دوش نہ تھا
بھول جانے کے سوا اب تجھے کچھ یاد نہیں
کل کی ہی ہے بات کہ تو وعدہ فراموش نہ تھا
نگۂ شوق نہ تھی کیفِ اثر سے محروم
میری قسمت میں غم بادۂ سرجوش نہ تھا
دلِ مشتاق نہ تھا شکوہ طرازِ تپِ ہجر
گلۂ غم کا مرقع لبِ خاموش نہ تھا
ظلمتِ شام میں تھا نورِ سحر کا عالم
آسماں صبح کے ماتم میں سیہ پوش نہ تھا
تجھ میں اور تیرے تصور میں جدائی تھی محال
درمیاں کوئی حجابِ غمِ آغوش نہ تھا

یادِ ایّام، کہ فانیؔ کے سوا تیرا ذکر
فتنۂ ہر لب و آوازۂ ہر گوش نہ تھا

○

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا
موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آساں نہ تھی
زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اٹھا
کس کی کشتی، تہِ گردابِ فنا جا پہنچی
شورِ لبیک، جو فانیؔ لبِ ساحل سے اٹھا

○

محتاجِ اجل کیوں ہے خود اپنی قضا ہو جا
عزت ہو تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا
اے شوقِ طلب بڑھ کر مجنوں کر ادا ہو جا
اے ہمتِ مردانہ راضی بہ رضا ہو جا
آغوشِ فنا ہیں ہم، پروردۂ آفت ہیں
اے فتنۂ دوراں اٹھ، اے حشر بپا ہو جا
ضد اور یہ ضد اے دل، اچھا تو خدا حافظ
قرباں ہی اس بت پہ ہوتا ہے تو جا ہو جا
اس جانِ تمنا سے، بے پردہ نہ شکوہ کر
وہ تجھ سے خفا ہے، تو جینے سے خفا ہو جا

اِس ہستیٔ فانی سے، کر قطع نظر فانیؔ
تو دوست کا طالب ہے، دشمن سے جدا ہوجا

○

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا
مردانہ وار جی اور مردانہ وار مَر جا
دنیا کے رنج و راحت کچھ ہوں تری بَلا سے
دنیا کی ہر ادا سے منہ پھیر کر گزر جا
اس بحرِ بے کراں سے ساحل کی جستجو کیا
کشتی کی آرزو کیا، ڈوب، اور پار کر جا

○

ہے موت ہی اک زندگیٔ دل کا سہارا
جینے کی جو ایسی ہی تمنّا ہے تو مَر جا
اِک عمر پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا
اے زلفِ سیاہ! ماتمِ فانیؔ میں بکھر جا

○

یہ کس قیامت کی بیکسی ہے، نہ میں ہی اپنا نہ یار میرا
نہ خاطرِ بیقرار میری، نہ دیدۂ اشکبار میرا
نشانِ تربت عیاں نہیں ہے "نہیں" کہ باقی نشاں نہیں ہے
مزار میرا کہاں نہیں ہے، کہیں نہیں ہے مزار میرا

وصالِ تیرا خیال تیرا جو ہو تو کیونکر نہ ہو تو کیونکر
نہ تجھ پہ کچھ اختیار میرا، نہ دل پہ کچھ اختیار میرا
نگاہِ دل دوز کی دُہائی، جمالِ جاں سوز کی دُہائی
رہِ محبت میں غم نے لوٹا شکیب و صبر و قرار میرا
میں دردِ فرقت سے جاں بلب ہوں تمہیں یقیں دِفا نہیں ہے
مجھے نہیں اعتبار اپنا، تمہیں نہیں اعتبار میرا

○

کیوں جنوں پھر نہ بیاباں میں بہار آئی ہو
بڑھ چلا ہے مرے دامن سے گریباں میرا
فطرتِ عشق کی آزاد اداؤں کو تو دیکھ
وسعتِ عالمِ تخئیل ہے زنداں میرا

○

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا
زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مرجانے کا
تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کا بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا

اب اسے دار پہ لے جاکے سُلا دے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا
ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لئے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا
ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میّت فانیؔ
زندگی نام ہے مَر مَر کے جیئے جانے کا

○

فانیؔ دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

○

نامرادی حد سے گزری، حالِ فانیؔ کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہے، اک جنازہ آہِ بے تاثیر کا

○

گُل ہیں وہ اب نہیں ہے جو عالم تھا خار کا
اللہ کیا ہوا، وہ زمانہ بہار کا
ہر ذرہ جلوہ گاہ ہے ہر دل ہے چشمِ شوق
اللہ رے اہتمام تماشائے یار کا
تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم
آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا

فانیؔ یقینِ وعدۂ فردا کو کیا کہوں
اب زندگی ہے نام فقط انتظار کا

○

یاد ہے وہ نومیدی میں ہلکی سی جھلک امیدوں کی
ہائے وہ دل کے ویرانے پر دھوکا سا آبادی کا
فانیؔ جب دل پاس نہ ہو تو لطف تماشا کچھ بھی نہیں
حال کسی سے کیا کہیئے کشمیر کی دلکش وادی کا

○

نہ آئیں گے وہ تب بھی دم نکل ہی جائے گا فانیؔ
مگر مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا

○

بُرا تو نہیں خواہ کچھ بھی ہو فانیؔ
وہ کافر نہ ہوگا مسلمان ہوگا

○

وائے نادانی یہ حسرت تھی کہ ہوتا در کھلا
ہم قفس اِترا نہ اسیری، کیا کہیں کیونکر کھلا
فرصتِ رنجِ اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے ہائے
اب چھری صیاد تے لی، اب قفس کا در کھلا

اللہ اللہ اِک دعائے مرگ کے دو دو اثر
واں کھُلا بابِ اجابت، یاں قفس کا در کھُلا
لکھ چکے ہم جا چکا خط، گر یہی حالت رہی
ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھُلا

○

مری حیات ہے محرومِ مدعائے حیات
وہ رہگزر ہوں جسے کوئی نقشِ پا نہ ملا

○

تجھ کو چھِپتا نہیں اسلام کا دعویٰ فانیؔ
ورنہ وہ عزتِ اسلام بھی لا، آن بھی لا

○

کمالِ ہوش ہے یوں بے نیازِ ہوش ہو جانا
ترے آغوش میں بے گانۂ آغوش ہو جانا
نہیں تیری محبت میں فقط دو کام آتے ہیں
جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا
وہی برقِ تجلی کارفرما اب بھی ہے لیکن
نگاہوں کو میسّر ہی نہیں بے ہوش ہو جانا
شبِ وعدہ، خدا ناکردہ، وہ آئیں نہ موت آئے
تو پھر اے زندگی تو موت کا آغوش ہو جانا

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہے
مبارک نکہتِ گل کو، چمن بر دوش ہو جانا
قیامت ہے یہ ٹکڑا داستانِ عشق کا یعنی
مِرے راحت طلب دل کا اذیت کوش ہو جانا
مرقع ہے کسی کی ہستیٔ موہوم کا فانیؔ
وہ ان کا دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا

○

مدّت سے ہے دل خانۂ ویرانِ تمنّا
اب کوئی تمنّا ہے نہ سامانِ تمنّا
سمجھو تو بہت فرق ہے، اغیار میں مجھ میں
میں آپ پہ قربان وہ قربانِ تمنّا
کیا چارہ گر اب بھی تجھے امیدِ شفا ہے
یہ زخم ہے یہ دل ہے یہ پیکانِ تمنّا
اللہ بچائے نظرِ یاس سے دل کو
اُمید ہے پھر سلسلۂ جنبانِ تمنّا
یہ سحر ہے فانیؔ کہ غمِ عشق ہے کیا ہے
دل قطرۂ خوں جس میں یہ طوفانِ تمنّا

○

میں ندامت جان کر خوش ہوں یہ منظر دیکھنا
وہ مجھے تڑپا کے تیرا، پھر نہ مڑ کر دیکھنا
سانس کے جو آخری جھٹکوں میں ٹکڑے ہوگئیں
ہائے، ان ناشاد آہوں کا مقدر دیکھنا
میرے دل کو چین آجانے کی ضامن موت ہے
تم کسی دن نبضِ دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا
جب ذرا پردے سے جھانکا بجلیاں گرنے لگیں
ہے یہ کوئی دیکھنے میں بندہ پرور دیکھنا
تشنہ لب بھی تھا میں ساقی جان سے بیزار بھی
ساغر، اور پھر زہر سے لبریز ساغر دیکھنا
صبح تک فانی ہر آوازِ شکستِ دل کے ساتھ
کیا قیامت تھا، وہ تیرا جانبِ در دیکھنا

○

دیکھ دل کی زمیں لرزتی ہے
یادِ جاناں قدم سنبھال اپنا
باخبر ہیں وہ سب کی حالت سے
لاؤ ہم پوچھ لیں نہ حال اپنا
موت بھی تو نہ مل سکی فانی
کس سے پورا ہوا سوال اپنا

○

زندگی کب اپنی ہے موت کس کے بس کی ہے
ہجر میں بنا لیتے، کس کو مہرباں اپنا
اس نے دل کی حالت کا کیا اثر لیا ہوگا
دل نے کیا کہا ہوگا، دل ہے بے زباں اپنا
پھر بھی نارسا ٹھہرا اور کیا رسا ہوتا
عرش سے پرے پہنچا شورِ الاماں اپنا
گھر ہے اب قفس فانیؔ، گھر کبھی چمن بھی تھا
ہاں کبھی وطن بھی تھا، اب وطن کہاں اپنا

○

وحشتِ عشق نے جب ہوش میں لانا چاہا
عقلِ کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا
ہم کو مرنا بھی میسر نہیں جینے کے بغیر
موت نے عمرِ دو روزہ کا بہانا چاہا

○

ضبط اپنا شعار تھا نہ رہا
دل پہ کچھ اختیار تھا نہ رہا
دلِ مرحوم کو خدا بخشے
ایک ہی غم گسار تھا نہ رہا

موت کا انتظار باقی ہے
آپ کا انتظار تھا نہ رہا
مہرباں یہ مزار فانیؔ ہے
آپ کا جاں نثار تھا نہ رہا

○

تم شامِ شبِ فرقت بے ساختہ آنکلے
یا کفر کے پردے سے ایمان نکل آیا

○

کیا اس طرح تڑپ کر میں بیقرار رودیا
دشمن بھی چیخ اٹھا، بے اختیار رودیا
کیا اس کو بے قراری یاد آگئی ہماری
مل مل کے بجلیوں سے ابرِ بہار رودیا
آیا ہے بعدِ مدت بچھڑے ہوئے ملے ہیں
دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رودیا
نازک ہے آج شاید حالت مریضِ غم کی
کیا چارہ گر نے سمجھا، کیوں زار زار رودیا
کچھ بھی ہوں برق و باراں ہم تو یہ جانتے ہیں
اک بے قرار تڑپا، اِک دل فگار رودیا

فانیؔ کو یا جنوں ہے یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کے تیرا، دیوانہ وار رویا

○

قبر میں جب کسی طرح نہ دل کی تڑپ کم ہوئی
یادِ خرامِ ناز نے حشر کا آسرا دیا
آپ ہم اپنی آگ میں اے غمِ عشق جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا
یوں نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات
چھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سُلا دیا
یاس نے درد ہی نہیں حق تو یہ ہے دوا بھی دی
فانیؔ نا اُمید کو موت کا آسرا دیا

○

اُسے اجل اے جانِ فانی تُو نے یہ کیا کر دیا
مار ڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا

○

بوٹے خزاں سے مست ہیں یاد نہیں بہار کیا
ہم تو چمن پرست ہیں پھول کہاں کے خار کیا
ہوش سے احتراز کر فاش نہ غم کا راز کر
دغدغۂ حساب کیوں، شکوۂ روزگار کیا

کھیل تھا سب امید کا یہ نہ رہی تو کچھ نہ تھا
آرزوؤں کی کیا بساط، شوق کا کاروبار کیا
فانیؔ اپنی زندگی حسنِ عتابِ یار ہے
دیکھیے مرگِ ناگہاں لائے پیامِ یار کیا

○

سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا
طور نے جل کر ہزاروں طور پیدا کر دیئے
ذرہ ذرہ میرے دل کی خاک کا دل ہو گیا
موت آنے تک نہ آئے اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا
دردِ فرقت کی خلش وابستۂ انفاس تھی
مدعائے زندگانی مر کے حاصل ہو گیا
دل سراپا درد تھا وہ ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانیؔ درد اب دل ہو گیا

○

اس کے دامن سے اُلجھتا ہے ادب اے دستِ شوق
یہ بھی دیوانے کوئی میرا گریباں ہو گیا

○

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا
ساری امیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا
فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا
لیجئے کیا دامن کی خبر اور دستِ جنوں کو کیا کہیئے
اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا
منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنّا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا
اس نے عدو کا سوگ کیا ہاں اس سے وفا کی آس بندھی
داغِ تمنّا رنگِ حنا کی دیکھا دیکھی چھوٹ گیا
فانی ہم تو جیتے جی وہ میّت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

○

وُہ جی گیا جو عشق میں جی سے گزر گیا
عیسیٰ کو ہو نوید کہ بیمار مر گیا
آزاد کچھ ہوئے ہیں اسیرانِ زندگی
یعنی جمالِ یار کا صدقہ اتر گیا
میں نے دیا کہ تم نے لیا دل تمہیں کہو
تم دل میں پہلے آئے کہ دل پیشتر گیا

○

بیمار ترے جی سے گزر جائیں تو اچھا
جیتے ہیں نہ مرتے ہیں مر جائیں تو اچھا

○

کب کہہ گیا تھا آنے کو کیا وقت ہو گیا
اللہ نامہ بر بھی گیا وقت ہو گیا

○

آہ بتوں پر دل کیا آیا ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا، جان گئی ایمان گیا

○

تیرا نگاہِ شوق کوئی رازداں نہ تھا
آنکھوں کو ورنہ جلوۂ جاناں کہاں نہ تھا
اب تک تری گلی میں رسوائیاں نہ تھیں
اب تک تو اس زمیں پہ کوئی آسماں نہ تھا
اللہ رے بے نیازئ آدابِ التفات
دیکھا مجھے تو پائے نظر درمیاں نہ تھا
میرے دلِ غیور کا حسنِ طلب تو دیکھ
گویا زباں پہ حرفِ تمنا گراں نہ تھا

○

اَور تسلّی سے سَوا ہوگیا
دردِ جگر یہ کیا ہوگیا
اور ہی بَل ہے تری زلفوں کا آج
کون گرفتارِ بلا ہوگیا

○

خود برق ہو اور طورِ تجلی سے گزر جا
خود شعلہ بن اور وادیٔ سینا سے گزر جا
بے واسطۂ خود نگری اپنی طرف دیکھ
آئینہ اٹھا حسنِ خود آرا سے گزر جا
اپنی ہی نگاہوں کا یہ نظارہ کہاں تک
اِس مرحلۂ سعیٔ تماشا سے گزر جا

○

اے جذبِ بے خودی ترے قربان جائیے
پھرتا ہے دل میں کوئی مجھے ڈھونڈتا ہوا
قاتل سنبھل کہ یہ نگۂ واپسیں نہیں
خنجر ہے میرے دل کے لہو میں بجھا ہوا

○

جمالِ خود رخِ بے پردہ کا نقاب ہوا
نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہوا

وُہ جلوہ مفت نظر تھا نظر کو کیا کہیئے
کہ پھر بھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہوا
اُلٹ گئی مری امید و بیم کی دُنیا
یہ کیا نظامِ تمنا میں انقلاب ہوا
گناہ گار سہی دل مگر تصور معاف
ظہورِ شوق باندازۂ حجاب ہوا
قضا کو مژدۂ فرصت کہ فانیؔ مہجور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہوا

○

جلوۂ عشق حقیقت تھی حسن مجاز بہانا تھا
شمع جسے ہم سمجھے تھے شمع نہ تھی پروانہ تھا
فانیؔ کو کیا ہی سہی پھر بھی تجھ سے نسبت تھی
دیوانہ تھا، تھا کس کا، تیرا ہی دیوانہ تھا

○

کیا سوال تو آوازِ بازگشت آئی
جواب مجھ سے طلب ہے مرے سوالوں کا
جنونِ شکوۂ بیداد پہ خدا کی مار
اثر کے ساتھ گیا اعتبار نالوں کا

○

آغوشِ فنا میں ہم پروردۂ آفت ہیں
اے فتنۂ دوراں اٹھ لے حشر بپا ہو جا
ہر قافلۂ دل کو تو مژدۂ منزل دے
ہر رہگذرِ غم میں نقشِ کفِ پا ہو جا

○

(ب)

عشق ہے پرتوِ حسنِ محبوب
آپ اپنی ہی تمنا، کیا خوب
طلبِ محض ہے سارا عالم
کوئی طالب ہے نہ کوئی مطلوب

○

(ت)

منحصر ہے آپ کی ہاں پر وصال
آپ کو آساں مجھے مشکل بہت

○

پھر فریب سادگی ہے رہنمائے کوئے دوست
مٹنے والی آرزوئیں لے چلیں، پھر سوئے دوست

آسماں کا شکر واجب ہے گلہ جائز نہیں
آسماں سے ملتی جلتی ہے جہاں تک خوئے دوست

○

وہ سخت جاں ہیں ہم کہ شبِ غم بھی کاٹ دی
فانیؔ ہمیں تو نیند نہ آئی تمام رات

○

(ٹ)

آنکھ اٹھائی ہی تھی کہ کھائی چوٹ
بچ گئی آنکھ، دل پہ آئی چوٹ
دردِ دل کی انھیں خبر کیا ہو
جانتا کون ہے پرائی چوٹ
آئی تنہا نہ خانۂ دل میں
درد کو اپنے ساتھ لائی چوٹ
تیغ تھی ہاتھ میں نہ خنجر تھا
اس نے کیا جانیں کیا لگائی چوٹ
یوں نہ قاتل کو جب یقیں آیا
ہم نے دل کھول کر دکھائی چوٹ
کہیں چھپتی بھی ہے لگی دل کی
لاکھ، فانیؔ نے گو چھپائی چوٹ

(د)

آخر کوئی امید اثر بھی دعا کے بعد
کچھ آپ بھی کہیں گے مری التجا کے بعد

○

یہ جذبِ ذوقِ اسیری ہے ورنہ اے فانیؔ
کہاں ہیں سوختہ دل مشتِ پر کہاں صیّاد

○

(ر)

رُلایا عمر بھر خونِ جگر، اک اک مصیبت پر
مٹا کر دم لیا، پتھر پڑیں دردِ محبت پر
حقیقت اور فتنوں کی ہے کیا تیرے مقابل ہیں
قیامت کو ہوا اپنا سا دھوکا تیرے قامت پر

○

ستم ہائے نمایاں سے نوازش ہائے پنہاں تک
شباب آتے ہی ہر آفت گزر جاتی ہے انساں پر

○

محبت میں ہمیں دل کھول کر رونا نہیں آتا
جو چار آنسو ہیں آنکھوں میں تو دو آنسو ہیں دامن پر
مجھے کھینچے لئے جاتا ہے کیا جانے کہاں کوئی
نہ کچھ احساس رہبر ہے، نہ کچھ الزام رہزن پر
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں دوستوں کو اور نہیں پاتیں
نظر اٹھتی ہے اب جس دوست پر پڑتی ہے دشمن پر
ہنسی آتی ہے تیری سادگی شوق پر فانی
وہ میت ہی پہ کب آئے جواب آئیں گے مدفن پر

○

زندگی سے ہو بیزار فانی اس سے کیا حاصل
موت کو مناؤ گے، جان سے خفا ہو کر

○

دلِ مایوس کو اے اہلِ کرم شاد نہ کر
نازپروردۂ غم ہے، اسے برباد نہ کر
اے تقاضائے خرد مجھ پہ یہ بیداد نہ کر
میں ہوں دنیائے محبت مجھے برباد نہ کر
روح اربابِ محبت کی لرز جاتی ہے
تو پشیمان نہ ہو، اپنی جفا یاد نہ کر

غم ہستی ہی سہی تیرے سوا کوئی ہو
دل کہ بستی ہے تری غیر سے آباد نہ کر

○

ہجر میں مسکرائے جا، دل میں اُسے تلاش کر
نازِ ستم اٹھائے جا، رازِ ستم نہ فاش کر

○

گزرے گی اب نہ غم کا مداوا کئے بغیر
بنتی نہیں اجل سے تقاضا کئے بغیر
دل کامیاب شوق ہے بے منتِ نگاہ
جلوے ہیں دل فریب، تماشا کئے بغیر
اللہ رے اعتمادِ محبت کہ آج تک
ہر درد کی دوا ہیں، وہ اچھا کئے بغیر
لازم سہی ہے حیات کہ فانی مفر نہیں
جینے کی تلخیوں کو گوارا کئے بغیر

○

جی ڈھونڈتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دُور
اِس آپ کی زمیں سے الگ، آسماں سے دور
تا عرضِ شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اِک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

فانیؔ دکن میں آکے یہ عقدہ کھُلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دُور

○

(ز)

کون اٹھائے مری وفا کے ناز
دل ستم دوست وہ رقیب نواز
اب نئے سُر سے چھیڑ پردۂ ساز
میں ہی تھا، ایک دُکھ بھری آواز
کھل گیا میری زندگی کا راز
اے شبِ ہجر تیری عمر دراز
صور و منصور و طور ارے توبہ
ایک ہے تیری بات کا انداز
آج روزِ وصالِ فانیؔ ہے
موت سے ہو رہے ہیں راز و نیاز
ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم
میری ہستی ہے غیب کی آواز
جانِ فانی ترے کرم پہ نثار
تو نے بخشی حیاتِ مرگ نواز

ش

ہجر نے کی مفارقت فانیؔ
لے مبارک ہو موت کا آغوش

○

کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز
یہ ترا عالمِ مستی، وہ ترا عالمِ ہوش

○

غ

سارا ملال، پیار کی نظروں سے مٹ گیا
ان رہزنوں نے لوٹ لیا کاروانِ داغ

○

ک

منزلِ عشق ہے نمودِ وجود
ہم بھی ہیں، تری بدگمانی تک
موت ہے ایک وقفۂ موہوم
زندگانی سے زندگانی تک

مہربانی کی آس، رہنے دے
کون جیتا ہے مہربانی تک
ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

○

گ

بزمِ دل میں دیا نہ عیش کو بار
صاحبِ امتیاز ہیں ہم لوگ
ہم سے ملتی ہے برقِ طور کو داد
وہ تبسّم نواز ہیں ہم لوگ
عقل عاجز ہے، بے خبر ہے ہوش
چشمِ بد دور، راز ہیں ہم لوگ
حشرِ امید سے مراد ہیں ہم
گلہ ہائے دراز ہیں ہم لوگ

○

م

دوست تسلّی دینے آئے لیکے دوائیں چارہ گر آیا
لیجئے آئی زخمِ جگر پر اور اِک تازہ آفت مرہم

ڈوب ہی جائے کشتیٔ ہستی کچھ تو ہو آخر و رنہ کہاں تک
بحرِ تلاطم خیز جہاں میں یونہی رہیں گے زیر و زبر ہم

○

دل اور دل میں یاد کسی خوش خرام کی
سینے میں حشر لے کے چلے ہیں جہاں سے ہم
اب چارہ سازیٔ دلِ بیمار کیا کریں
اے مرگِ ناگہاں تجھے لائیں کہاں سے ہم

○

وادیٔ شوق میں وارفتۂ رفتار رہیں ہم
بے خودی کچھ تو بتا کس کے گنہگار رہیں ہم
حسنِ حیرت تو میسر ہے تماشا نہ سہی
تیری محفل میں ہیں گو نقش بہ دیوار رہیں ہم
یوں تو کچھ غم سے سروکار نہ راحت کی تلاش
غم کوئی دل کے عوض دے تو خریدار رہیں ہم
وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانیؔ
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہ گار رہیں ہم

○

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

ترے خیال کے اسرار بے خودی میں کھلے
ہمیں چھپا نہ سکے ورنہ دل کو کیا معلوم
فریب امن میں کچھ مصلحت تو ہے ورنہ
سکون کشتی و توفیق ناخدا معلوم
یہ زندگی کی ہے روداد مختصر فانی
وجودِ درد مسلّم، علاج نا معلوم

○

نور و ظلمت جدا نہیں ہوتے
آپ کی چشمِ سُرمہ سا کی قسم

○

اس نے دیکھا ہے شام کا منظر
جس نے دیکھی ہے بے کسوں کی شام
کس سے اب درد کی دوا چاہوں
درد اٹھتا ہے لے کے تیرا نام

○

ن

یاس کی شکل میں امید نظر آئے جسے
سچ تو یہ ہے کہ وہ ناکامِ تمنا ہی نہیں

دیارِ نامرادی ہیں مری اک عمر گزری ہے
ابھی ناواقفِ رسمِ جہانِ کامرانی ہوں
گئے وہ دن کہ ہیں امیدوارِ مرگ تھا فانیؔ
اب اک مدّت سے ماتم دارِ مرگِ ناگہانی ہوں

○

آ کے تماشا گاہِ جہاں میں دادِ تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرہ کہتا ہے ہیں ذرّہ نہیں اِک دُنیا ہوں

○

زباں مدّعا نا آشنا چاہتا ہوں
دل اب زندگی سے خفا چاہتا ہوں
اَدا کو اَدا نا آشنا چاہتا ہوں
تجھی پر تجھے مبتلا چاہتا ہوں
وَفا چاہتے ہیں وفا چاہتا ہوں
وُہ کیا چاہتے ہیں ہیں کیا چاہتا ہوں
محبّت کو رسوا کیا چاہتا ہوں
نظر محرمِ التجا چاہتا ہوں
تعیّنِ غمِ عشق کا چاہتا ہوں
انھیں چاہتا ہوں یہ کیا چاہتا ہوں
ترے دل کو دردآشنا چاہتا ہوں
بھلا چاہتا ہوں، بُرا چاہتا ہوں

بہت تنگ ہے وہم ہستی کی دنیا
میں عالم ہی اب دوسرا چاہتا ہوں
شبِ ہجر تیرا تصوّر ہی تو ہے
تجھے آج تجھ سے جُدا چاہتا ہوں
مری موت ماتم کا حسن طلب ہے
سکوں ایک ہنگامہ زا چاہتا ہوں
خطا ڈھونڈھتا ہوں عطاؤں کے قابل
عطا چاہتے ہیں، خطا چاہتا ہوں
پھر اس بزم کو ڈھونڈتی ہیں نگاہیں
پھر اک شکوۂ برملا چاہتا ہوں
وہ فریاد کا عہد پھر یاد آیا
پھر اک نالۂ نارسا چاہتا ہوں
پھر آدابِ فرقت ہیں ملحوظ یعنی
ہجوم بلا در دیلا چاہتا ہوں
پھر اک سجدۂ توبہ کی آرزو ہے
تجھے آپ سے پھر خفا چاہتا ہوں
پھر امیدوار کرم ہوں کہ فانی
ستم ہائے شوق آزما چاہتا ہوں
کوئی وجہ تسکیں نہیں، غم نہ راحت
خدا جانے فانی میں کیا چاہتا ہوں

○

غم کو جو خوشی بنا کے چھوڑے
فانیؔ وہ نصیب چاہتا ہوں

○

ہر سانس کے ساتھ جا رہا ہوں
میں تیرے قریب آ رہا ہوں
یہ دل میں کراہنے لگا کون
رو رو کے کسے رُلا رہا ہوں

○

ذرّے میں دشت قطرے میں طوفاں چھپے ہوئے
ڈالا مری نگاہ نے پردہ کہاں کہاں
بزمِ الست، دارِ فنا، جلوہ گاہِ حشر
پہنچی ہے لے کے ان کی تمنا کہاں کہاں
قلب و جگر کے درد کا پھر کس کو ہوش تھا
جب اس نے مسکرا کے یہ پوچھا کہاں کہاں
آخر نگاہِ دوست میں فانیؔ نے پا لیا
یوں مرگِ ناگہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں

○

مری آنکھوں سے بہنا چاہیئے دل کا لہو برسوں
رہی ہے ان کو خونِ آرزو کی آرزو برسوں

جیئے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
ترے غم نے بچائی زندگی کی آبرو برسوں
نگاہوں نے دلوں میں، دل نے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈا
تری دھن میں رہے سودائیاں جستجو برسوں
تری ایذا پسندی کی ادا بھی کیا قیامت ہے
مجھے مرنے نہ دے گی آرزوئے مرگ تو برسوں
تجھے اور حالِ دل سے بے تغافل توبہ کر توبہ
کہ تجھ سے میری خاموشی نے کی ہے گفتگو برسوں
مری اک عمر فانیؔ نزع کے عالم میں گزری ہے
محبّت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

○

چھائی ہوئی ہیں دل پر اسرار کی گھٹائیں
رحمت کی بجلیوں سے معمور ہیں فضائیں
رہ جائے کیوں فنا کا ہنگامہ نامکمّل
کچھ میری زندگی سے لے لیجیے بلائیں
ہاں اے یقینِ وعدہ دامن ترا نہ چھوٹے
یہ آسرا نہ ٹوٹے وہ آئیں یا نہ آئیں
انصاف چاہتا ہوں انصاف ہو رہے گا
بیداد گر یہ آہیں خالی گئیں نہ جائیں

وُہ منفعل نگاہیں کیا کہہ گئیں کہ فاؔنی
شرمندۂ اثر ہیں رُوٹھی ہوئی دعائیں

○

اُن کے آگے جب یہ آنکھیں ڈبڈبا کر رہ گئیں
وہ حیا پرور نگاہیں مسکرا کر رہ گئیں
اب مری بربادیوں کو حشر کا ہے انتظار
جس قدر فتنے میسّر تھے اٹھا کر رہ گئیں

○

فرزانگی تو اپنا مقدور ہی نہیں ہے
کہیئے تو عقل ہی کو دیوانگی بنالیں

○

وُہ اُدھر رخ اِدھر ہے میّت کا
لوگ فاؔنی کو قبلہ رُو تو کریں

○

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں
زخمِ دل پیدا کریں یا زخمِ دل اچھا کریں
خون کے چھینٹوں سے کچھ پھولوں کے خاکے ہی سہی
موسمِ گُل آگیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں
جا بجا تغیّرِ حالِ دل کے چرچے ہیں تو ہوں
ہم ہوئے رسوا مگر اب ہم کسے رسوا کریں

شوقِ نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائے گا
ان کو پردہ ہی اگر منظور ہے پردہ کریں
ظرفِ دیوانہ بقدرِ ہمتِ وحشت نہیں
لاؤ ذرّے میں پیدا وسعتِ صحرا کریں

○

کچھ شغل چاہیئے جو نظر کو تو پھر حضور
دل چاک ہو گیا ہے اسی کو رفو کریں
ناخوش گوار ہے جو محبّت کا تذکرہ
اچھا تو لاؤ اور کوئی گفتگو کریں
فرقت میں موت مانگنے والوں کا کیا قصور
اصغر یہ نامراد کوئی آرزو کریں

○

زخم نصیب تھا جگر، زخمِ جگر سے کیا کہیں
ان کی نظر نے کیا کیا، ان کی نظر سے کیا کہیں
آہ انھیں کی ہے عطا، خیر وہ بے اثر سہی
دب گئے اثر بھی اب وہی، بااثر سے کیا کہیں
شکوۂ غم سے فائدہ شکر ستم بھی کیا ضرور
حسن کے شعبدوں کا حال شعبدہ گر سے کیا کہیں

دل کے سوا یہاں کوئی محرم درد ہی نہیں
بے خبروں سے کیوں کہیں، اہلِ خبر سے کیا کہیں
حسنِ جفا پسند سے حسرتِ عرضِ شوق کیا
تشنہ لبی کا ماجرا، آپ کہر سے کیا کہیں
فانیؔ اب ان سے عرضِ حال کیجئے بار بار کیا
وہ نئے سرے سے کیا سنیں، ہم نئے سرے کیا کہیں

○

آغازِ محبت کے اللہ وہ کیا دن تھے
وہ شوق کے هنگامے، وہ شوق کی تمہیدیں
شہزادۂ[1] والا شان آئے تھے کہ عید آئی
اس سال مبارک ہوں فانیؔ تجھے دو عیدیں

○

آخر زمانہ آئینہ دکھلا کے رہ گیا
لانا پڑا تمھیں کو تمہاری مثال ہیں

○

تم تھے تو مری شام میں تھا صبح کا عالم
تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں

---

[1] جونیئر پرنس شہزادۂ والا شان نواب معظم جاہ بہادر مراد ہیں۔

ہر اشک تری یاد کے جلوؤں سے ہے معمور
دنیا سمٹ آئی ہے مرے دیدۂ تر میں

○

بتایا راستہ عشقِ مجازی نے حقیقی کا
خدا کی شان رہزن بھی کبھی رہبر نکلتے ہیں
الٰہی آگ لگ جائے زمانے کی دو رنگی کو
جنھیں نازک بدن سمجھو وہی پتھر نکلتے ہیں

○

جس دلربا سے ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں [1]
آخر اُسی نے ہم کو آنکھیں دکھائیاں ہیں
پریاں ہیں فصلِ گُل میں چلتی ہیں جو ہوائیں
پھولوں سے اپنی جیبیں بھر بھر کے لائیاں ہیں
ہے رات وصلِ گل کی اور رُت ہے فصلِ گل کی
چن چن کے ہم نے کلیاں سیجیں بچھائیاں ہیں
شاید فسانۂ غم سچا سمجھ گئے تم
صدقے ان انکھڑیوں کے یہ کیوں بھر آئیاں ہیں
تیری ہی اے شبِ غم کچھ کم نہ تھی سیاہی
کیوں بدلیاں یہ کالی گھر گھر کے آئیاں ہیں

○

---

[1] یہ غزل مولانا حسرت موہانی کی فرمائش پر ۱۹۰۲ء میں کہی گئی۔

فانیؔ ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
سانچے ہیں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

○

یہ دُھن ہے تری یا دھیان ہے تیرا جانے اسے کیا کہتے ہیں
اب ہوش و حواس بھی آٹھ پہر کچھ کھوئے ہوئے سے رہتے ہیں
تُو اور کہیں اور ہم اور کہیں ممکن جو نہ تھا وہ ممکن ہے
جب سنتے تھے تو ڈرتے تھے اب پڑتی ہے تو سہتے ہیں

○

شب اشکوں کے طوفاں کا وہ جوش و خروش ارے توبہ
ہر اشک امڈ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا طوفاں ہوں

○

غم کے ٹھوکے کچھ ہوں بلا سے، آ کے جگا تو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے، جاگتے ہی سو جاتے ہیں

○

غم ہائے روزگار سے ممکن نہیں گریز
یہ بھی ترے ستم ہیں سموئے ہوئے سے ہیں
بالیں پہ آ کے نزع کے پردے میں چھیڑ دو
نغمے جو سازِ مرگ میں سوئے ہوئے سے ہیں

○

مجھ کو شکایتِ ستم ناروا نہیں
دل کی سزا یہی ہے تمہاری خطا نہیں

عادت ہے التجا و دعا کی وگرنہ ہیں
کیا جانتا نہیں کہ وہ کافر خدا نہیں

دردِ فراق، زخمِ جگر، حسرتِ وصال
فانیؔ غم نصیب کی قسمت میں کیا نہیں

○

دُور صیاد، چمن پاس، قفس سے دُور
ہائے وہ طاقتِ پرواز کہ بازو میں نہیں

دیکھتے ہیں تمہیں جاتے ہوئے اور جیتے ہیں
تم بھی قابو میں نہیں موت بھی قابو میں نہیں

حیف جس کے لئے پہلو میں نہ رکھا دل کو
کیا قیامت ہے کہ فانیؔ وہی پہلو میں نہیں

○

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

○

نگاہِ شوق کی رعنائیوں کا کیا کہنا
مگر خدا کی قسم آپ کا جواب نہیں

مجھے یہ دعوتِ روزِ حساب کیوں یارب
مرے گناہ تو شرمندہ حساب نہیں

○

گھر جلاتے تو ہو مگر کس کا
دل ہے بندہ نواز طور نہیں
تم پہ مرنا جنھیں نہیں آتا
زندگی کا انھیں شعور نہیں
ترکِ دُنیا نہ ہو سکے تو نہ کر
غمِ دُنیا مگر ضرور نہیں
ہم نہ تھے کل کی بات ہے فانیؔ
ہم نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

○

وہ مسافر ہوں جو ہو ختمِ سفر سے بے نیاز
میری ہر منزل نشانِ راہ ہے منزل نہیں
بن نہیں پڑتی ہے تیری یاد سے تیری سی بات
ہاں مگر اتنا کہ گویا تو ہی تو ہے دل نہیں
کیا کروں نازک بہت ہے ان کی مرضی کا سوال
ورنہ فانیؔ اس جیئے جانے سے کچھ حاصل نہیں

○

لطف و کرم کے پُتلے ہو اب قہر و ستم کا نام نہیں
دل پہ خدا کی مار کہ پھر بھی چین نہیں آرام نہیں
جتنے منہ ہیں اتنی باتیں، دل کا پتہ کیا خاک ملے
جس نے دل کی چوری کی ہے ایک اسی کا نام نہیں
عشق کے مارے بھی کہیں مر جانے سے جی جاتے ہیں
لے یہ تسلی رہنے دے، اے موت ترا یہ کام نہیں
کب سے پڑی ہیں دل میں تیرے ذکر کی ساری راہیں بند
برسوں گزرے، اس بستی میں رسم و سلام و پیام نہیں
حد تھی یہ بیتابیٔ دل کی جانے اب کیا ہونا ہے
صبر کی حد بھی ہونے آئی صبح نہیں یا شام نہیں
دل ہی پہ اپنا بس نہیں چلتا، ان کی شکایت کیا کیجیے
آپ ہم اپنے دشمن ٹھہرے دوست پہ کچھ الزام نہیں
دل سے کسی کی آنکھوں سے کچھ راز کی باتیں پہنچی ہیں
آنکھ سے دل تک آیا ہو، ایسا تو کوئی پیغام نہیں
نزع میں فانیؔ تو نے یہ کس کا چپکے چپکے نام لیا
کیوں او کافر، تیری زباں پر اب بھی خدا کا نام نہیں

کس زعم میں ہے اے رہروِ غم دھوکے میں نہ آنا منزل کے
یہ راہ بہت کچھ چھانی ہے، اس راہ میں منزل کوئی نہیں

یہ واہمہ تھا یا مشکل تھی، کیوں ہم نے کہا کیا نادم ہوں
وہ پوچھتے ہیں کیا مشکل ہے کیا کہیے کہ مشکل کوئی نہیں

بس ان پہ، نہ ان کی یاد پہ ہے، تقدیر کے کیا کیا پہلو ہیں
تدبیر سے حاصل کچھ بھی نہیں، تدبیر سے غافل کوئی نہیں

دریائے محبت بے ساحل، اور ساحل بھی دریا بھی ہے
جو موج ڈبو دے ساحل ہے، یوں نام کا ساحل کوئی نہیں

کر شیشہ و ساغر، بادہ و ساقی، گل اور شمع سے قطع نظر
محفل میں یہ رونق کس کی ہے، جب صاحبِ محفل کوئی نہیں

خود حسن کمالِ حسن ہے، یعنی حسن جہاں ہے کامل ہے
اور عشق مآلِ عشق ہے یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں

ہر جلوۂ غیب شہود ہے پھر بھی غیب کے جلوے غیب میں ہیں
نظارہ نظر میں شامل ہے، نظارے میں شامل کوئی نہیں

ہستی ہی نہیں جو باطل ہو پھر فرقِ مجاز و حقیقت کیا
یہ مجازِ حقیقت بھی ہے حقیقت، ہستی باطل کوئی نہیں

فانیؔ ہی وہ اک دیوانہ تھا، جو موت سے پہلے مر جائے
کیا ہوش کی کافر دنیا میں، اس موت کے قابل کوئی نہیں

○

سنتے تھے محبت آساں ہے واللہ بہت آساں ہے مگر
اس سہل میں جو دشواری ہے وہ مشکل سی مشکل میں نہیں
ہم بھی ہوں خیال یار بھی ہو اس فکرِ محال سے کیا حاصل
بس اب اے فانیؔ ہم ہی نہیں یا کوئی ہمارے دل میں نہیں

○

موت کو ہم پیار سے کہتے ہیں اپنی زندگی،
زندگی کو آفتِ صبر آزما کہنے کو ہیں،

○

یہ تو برے آثار ہیں فانیؔ غم ہو خوشی ہو کچھ تو ہو
دل کا یہ کیا حال ہوا، مغموم نہیں مسرور نہیں

○

دونوں فتنے ہیں عشق اور محشر،
ایک دنیا ہیں، ایک عقبیٰ ہیں

○

رازِ حقیقت جاننے والے دیکھئے اب کیا کہتے ہیں
دل کو ہم اپنا دل ہی نہیں تیری تمنا کہتے ہیں

○

ہر نفس آہ اور انفاسں پہ جینے کا مدار
زندگی آہِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

○

مَر کر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں
ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں

○

و

اچھا حجاب ہے کہ جب آتے ہیں خواب میں
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

○

منظور ہر نوشتۂ تقدیر ہے مجھے
لیکن وہ جس میں حرفِ تمنا رقم نہ ہو

○

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ
چلے بھی آؤ وہ ہے قبرِ فانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ
ابھی کیا ہے کسی دن خوں رُلائے گی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ
غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دُنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ
بہارِ زندگی کا لطف دیکھا اور دیکھو گے
کسی کا عیشِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ
وُہ اٹھا شورِ ماتم، آخری دیدارِ میت پر
اب اٹھا چاہتی ہے نعشِ فانی دیکھتے جاؤ

○

اَے زمینِ لکھنؤ، اے آسمانِ لکھنؤ
تم سے رخصت ہو رہا ہے مہمانِ لکھنؤ
گرچہ یہ آوارۂ ملک و وطن کچھ بھی نہیں
تھا مگر منجملۂ دلدادگانِ لکھنؤ
گرچہ اِس ناخواندہ مہماں کی نہ تھی خاطر عزیز
بے تکلف تھا، یہ خاکِ آستانِ لکھنؤ
داغ ہے دل پہ تری آزردگی بے سبب
الوداع اے خاطرِ نامہربانِ لکھنؤ
جمع ہیں دو نوں جہاں اپنے دلِ رنجور میں
اک جہانِ آرزو ہے اک جہانِ لکھنؤ
بے مروّت یوں تو ہیں سب چاہنے والے ترے
کم ہیں فانیؔ کی طرح شیدائیانِ لکھنؤ

○

نہ آیا موسم گل جب دلِ دیوانہ جیتا تھا
جو اب آئے تو یا رب آگ لگ جائے گلستاں کو
دلِ فانی سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب شے تھی خدا بخشے امیدِ وصلِ جاناں کو

○

بہار لائی ہے پیغامِ انقلابِ بہار
سمجھ رہا ہوں میں کلیوں کے مسکرانے کو
نہ پوچھئے کہ محبت میں مجھ پہ کیا گزری
نہ چھیڑئیے مرے بھولے ہوئے فسانے کو
چمن میں برق نے جھانکا کہ ہم لرز اُٹھے
اب اس سے آگ ہی لگ جائے آشیانے کو
خیالِ یار بھی کھویا ہوا سا رہتا ہے
اب ان کی یاد بھی آتی ہے بھول جانے کو
نگاہِ لطف نہ فرما نگاہِ ناز کے بعد
جگر میں آگ لگا کر نہ آ بجھانے کو
زمانہ بر سرِ آزار تھا مگر فانیؔ
تڑپ کے ہم نے بھی تڑپا دیا زمانے کو

○

ھ

رہ رو کے ایک ایک قدم بڑھ رہا ہوں میں
ہنستی ہے مجھ پہ دوریٔ منزل جگہ جگہ
غم اصلِ کائنات ہے دل جوہرِ حیات
دل غم سے، غم ہے دل سے مقابل جگہ جگہ
اک سرگزشتِ درد ہے، ہر ذرہ خاک کا
پہنچی ہے داستانِ غمِ دل جگہ جگہ

○

دل کی طرف حجابِ تکلّف اٹھا کے دیکھ
آئینہ دیکھ اور ذرا مسکرا کے دیکھ
اس شورشِ حیات کو حد سے بڑھا کے دیکھ
اک فتنہ اور حشر سے پہلے اٹھا کے دیکھ
یوں دیکھتا ہے تیرگیٔ آب و گِل میں کیا
شعلوں سے کھیل دل کو جلا اور جلا کے دیکھ
تیری تجلّیوں سے کسی طرح کم نہیں
دل کی تجلّیوں کو کبھی دل میں آ کے دیکھ
دنیا کو دیکھنا تو میسّر نہیں تمہیں
ذرّے کو دیکھنا ہے تو دنیا بنا کے دیکھ

فانیؔ سفینہ اب بھی نہ ڈوبے تو کیا کرے
طوفان کو نہ دیکھ، ستمِ ناخدا کو دیکھ

○

ی

عشق نے دل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی
درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی
دل کی ہستی سے کیا عشق نے آگاہ مجھے
دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی
ہاں نہ تھا بابِ اثر بند، مگر کیا کہیے
آہ پہنچی تھی کہ دشمن کی دعا بھی آئی
آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت مشتاق کو مٹی میں ملا بھی آئی
لو مسیحا نے بھی، اللہ نے بھی یاد کیا
آج بیمار کو ہچکی بھی قضا بھی آئی
دیکھ یہ جادۂ ہستی ہے سنبھل کر فانیؔ
پیچھے پیچھے وہ دبے پاؤں قضا بھی آئی

○

ہر عیش کی محفل میں پَروانے کا ماتم تھا
جو شمع نظر آئی دلگیر نظر آئی
کعبے میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا
اَے قصرِ وفا تیری تعمیر نظر آئی
دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے
دُھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی
دل اُن کے نہ آنے تک لبریز شکایت تھا
وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی
فانیؔ غمِ ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک مِرے مرنے میں تاخیر نظر آئی

○

لب ریزِ دَرَج تھا اک اک خطِ پیمانہ
محفل سے جو وہ اٹھے پیتے ہوئے انگڑائی
پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

○

گردش وہی یہاں بھی سپہرِ کہن میں تھی
غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی

بے پردہ ذکرِ یار ہے در پردہ یادِ یار
میری زباں پہ ہے جو دلِ برہمن میں تھی
بعدِ قضا بھی کم نہ ہوئیں بے قراریاں
لاشہ نہ تھا مرا، کوئی بجلی کفن میں تھی
وہ گل ہے گل جسے تری خلوت میں بار تھا
وہ شمع، شمع ہے جو تری انجمن میں تھی
کیوں سادگی میں طور اب کچھ بانکپن کے ہیں
کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی
بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا ترے بغیر
کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی
اے یاس تو نے آکے اسے بھی مٹا دیا
لذّت سی کچھ، جو شکوۂ رنج و محن میں تھی
لو آج مرگِ فانیؔ بے کس سے مٹ گئی
وہ اک خلش جو خاطرِ اہلِ وطن میں تھی

○

یہ ان پہ مرنے والوں میں وہ صدقے ہونے والوں میں
دل و جاں دونوں لئے ہیں نہ دل میرا نہ جاں میری
نہایت بامزہ ہے عشق کے ماروں کا افسانہ
زبانِ حال کو ازبر ہے ساری داستاں میری

شہیدِ ناز ٹھہروں کشتۂ انداز کہلاؤں
کرو تم ذبح مجھ کو ایسی قسمت ہے کہاں میری
جفا پر صبر کرنا، غم سے گھلنا جان دے دینا
وفائیں کیجئے گا رفتہ رفتہ امتحاں میری
دکھا دو جلوۂ عارض اگر تم دیکھنا چاہو
نظر محوِ تماشا اور زباں گرمِ فغاں میری
شبِ غم کٹ گئی فانی سحر وہ ہوتی آئی ہے
قضا، اللہ جانے رہ گئی ظالم کہاں میری

○

خوش ہوں کہ ترے غم میں جیتا ہوں نہ مرتا ہوں
جینا ہے ہوس کوشی، مرنا ہے ریاکاری

○

ہر گھڑی انقلاب میں گزری
زندگی کس عذاب میں گزری
رازِ ہستی کی جستجو میں رہے
خواب، تعبیرِ خواب میں گزری
کچھ کٹی ہمتِ سوال میں عمر
کچھ امیدِ جواب میں گزری

کس خرابی سے زندگی فانیؔ
اس جہانِ خراب میں گزری

○

اک برق سرِ طور ہے لہرائی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی
درپیش ہے پھر مسئلۂ طاقتِ دیدار
پھر کچھ نگہِ شوق ہے گھبرائی ہوئی سی
ہر سانس ہے فانیؔ مجھے گویا دمِ آخر
سمجھا ہوں محبت میں قضا آئی ہوئی سی

○

دلِ مرحوم فانیؔ کی جواں مرگی کا ماتم ہے
چلی آتی ہیں امڈی آرزوئیں ایک عالم کی

○

جس دل پہ کی نظر، رہی پہلو میں پھر نہ تھا
شوخی تو دیکھئے نگہِ انتخاب کی

○

اٹھا ہاتھ اے تصورِ فاتحہ کو
یہ دل کی ہے، وہ تربت ہے جگر کی

شبِ فرقت کٹی یا عمرِ فانی
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی،

○

قضا آئی طبیب آیا، وہ آئے، دیکھ کون آیا
کسی نے اُسے جنوں زنجیر کھڑکائی مرے در کی
اجل کی آرزو ہو دل میں فانیؔ اور دنیا ہو
خدا رکھے یہی رونق ہے اس اجڑے ہوئے گھر کی

○

حسنِ مجبورِ تغافل ہے ادب شرطِ وفا
رہ گئی شرم، غمِ عشق کے افسانوں کی
چشمِ ساقی کی وہ مخمور نگاہی توبہ
آنکھ پڑتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

○

زبانِ حال ٹھہر داستانِ عشق نہ چھیڑ
کہ خوابِ مرگ ہے، تاثیر اس فسانے کی
گلہ ضرور نہیں حال بے خودی معلوم
تمہاری یاد کو عادت ہے بھول جانے کی
نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر
وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے
اَدا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

○

تمہارا دردِ محبت تو درماں بنا لیا ہم نے
اب اور سوچیئے تدبیر دل دُکھانے کی
زمانہ کفرِ محبت سے کر چکا تھا گریز
تری نظر نے پلٹ دی ہوا زمانے کی
وہ صبحِ عید کا منظر ترے تصور میں
وہ دل میں آ کے ادا تیرے مسکرانے کی

○

کچھ امیدِ کرم میں گزری عمر
کچھ امیدِ کرم میں گزرے گی
دل کو یادِ نشاطِ وصل نہ چھیڑ
غم میں گزری ہے غم میں گزرے گی

○

ایسا بھی کوئی دن مری قسمت میں ہے فانیؔ
جس دن مجھے جینے کی تمنا نہ رہے گی

○

اظہارِ محبت کی حسرت کو خدا سمجھے
ہم نے یہ کہانی بھی سو بار سنا ڈالی
جینے بھی نہیں دیتے مرنے بھی نہیں دیتے
کیا تم نے محبت کی ہر رسم اٹھا ڈالی

○

ذوقِ نظّارہ سلامت چاہیئے
جس طرف دیکھا، وہ صورت دیکھ لی
واہ ری رنگینیٔ بزمِ خیال،
دل کے ہر گوشے میں جنت دیکھ لی
آپ نے انجام دیکھا عشق کا
آپ نے فانیؔ کی تربت دیکھ لی

○

تعبیر اجل نے دی اِس خوابِ پریشاں کی
ہم مرکے تجھے سمجھے اے ہستیِ انسانی
کیا ہم شبِ وصل ان سے فرقت کا گلہ کرتے
تھی رات بہت تھوڑی اور بات تھی طولانی
یاں میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی

فانیؔ وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
میں نے غمِ فرقت کی صورت بھی نہ پہچانی

○

آپ کی آرزو کیجئے ہی بنی
دل شکوہ آخر لہو کیجئے ہی بنی
فاش ہوتا نہ رازِ غم کب تک
دل سے کچھ گفتگو کیجئے ہی بنی
ہم بھی جینے کی تاب لا نہ سکے
موت کی آرزو کیجئے ہی بنی
سجدۂ شکرِ درد واجب تھا
خونِ دل سے وضو کیجئے ہی بنی
حسن، بے تاب خود نمائی تھا
دل، ہمیں روبرو کیجئے ہی بنی
کھو گئے ہم، کچھ اس طرح فانیؔ
کہ انھیں جستجو کیجئے ہی بنی،

○

آتی رہے گی اب اس زندگی کو موت
یہ تو ہوا کہ موت مری زندگی ہوئی

میرا وجود کفر، مری زندگی گناہ
ہستی کو ہوش، ہوش کو لازم خودی ہوئی

یارب نوائے دل سے تو کان آشنا سے ہیں
آواز آ رہی ہے یہ کب کی سُنی ہوئی

فانیؔ میں ہوں وہ نقطۂ موہوم اِتّصال
جس میں عدم کی دونوں حدیں ہیں ملی ہوئی

○

بساطِ عجز میں اک آہ تھی متاعِ حیات
سو وہ صرفِ ستم ہائے روزگار ہوئی

بقدرِ ہستیٔ دل ہے خمارِ غم بدنام
خزاں خراب باندازۂ بہار ہوئی

نہیں کہ آہ میں تاثیر ہی نہیں لیکن
یہ دل فگار، کبھی آسماں فگار ہوئی

بہار نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی

امیدِ مرگ پہ فانیؔ نثار کیا کیجے
وہ زندگی، کہ ہوئی بھی تو مستعار ہوئی

○

حاصل بے خبری لازمۂ ہوش ہوئی
یاد تیری، کسی عنواں نہ فراموش ہوئی
سامنے آ ہیں جو ہوں دعوئ تقوئ والے
چشمِ ساقی کی ادا میکدہ بردوش ہوئی

○

صبح ہوتی نہیں، ہماری شام
ورنہ کس شام کی سحر نہ ہوئی
آج تسکینِ دردِ دل فانیؔ
وہ بھی چاہا کئے مگر نہ ہوئی

○

اِس کشمکش ہستی میں کوئی راحت نہ ملی جو غم نہ ہوئی
تدبیر کا حاصل کیا کہیئے، تقدیر کی گردش کم نہ ہوئی
غم راز ہے اُن کی تجلی کا جو عالم بن کر عام ہوا
دل نام ہے ان کی تجلی کا جو راز رہی عالم نہ ہوئی
انسان کی ساری ہستی کا مقصود ہے فانیؔ ایک نظر
یعنی وہ نظر جو دل میں اُتر کر زخم بنی، مرہم نہ ہوئی

○

کہتے ہیں حسن ہی کی امانت ہے دردِ عشق
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

فانیؔ دعائے مرگ کی تکرار کیا ضرور
غافل نہیں کہ ان سے تقاضا کرے کوئی

○

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہئے
تو چپ ہیں کہ کیا کہئے کھلتی ہے زباں کوئی

○

کون ہے میرے سوا فیضِ چمن سے محروم
گل بداماں ہے کوئی خار بداماں کوئی
برق نے میرے قفس کو بھی نشیمن سمجھا
آہ، ایسا بھی نہ ہو سوختہ ساماں کوئی،

○

معلوم نہیں کیا ہے محبّت لیکن
کانٹا دل میں کھٹک رہا ہے کوئی
کتنی تری جُستجو کی لذّت ہے
رستہ پاکر بھٹک رہا ہے کوئی

○

یوں مٹ گئے وفا کہ زمانے کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی

وہ عہدِ دل فریبیٔ تاثیر اب کہاں
مدت سے آہ، آہ کو حسرت نہیں رہی
دل اور ہوائے سلسلۂ جنبانیٔ نشاط
کیوں پاسِ وضعِ غم تجھے غیرت نہیں رہی

○

غربت نے بے کسی کا نشاں بھی مٹا دیا
اڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی
فانیؔ امیدِ مرگ نے بھی دے دیا جواب
جینے کی ہجر میں کوئی صورت نہیں رہی

○

وہ نظر کامیاب ہو کے رہی
دل کی بستی خراب ہو کے رہی
عشق کا نام کیوں کریں بدنام
زندگی تھی عذاب ہو کے رہی
نگۂ شوق کا مآل نہ پوچھ
سر بسر اضطراب ہو کے رہی

○

تھم تھم کے آ رہی ہیں دمِ نزع ہچکیاں
رہ رہ کے ٹوٹتی ہیں امیدیں رہی سہی

لے امتیازِ جور ہی ہم نے اٹھا دیا
تو بے وفا نہیں ہے تو اچھا یہی سہی

○

سازِ خیالِ یار سے چھیڑ چلی ہی کیوں نہ جائے
نغمۂ آرزو سنا، نوحۂ یاس ہی سہی
شیوۂ عاشقی نہیں ہجر میں آرزوئے مرگ
ہاں نہیں زندگی عزیز، موت ہی زندگی سہی

○

میں ہوں رہین انتظار آئیے یا نہ آئیے
اپنے یقیں کو کیا کروں آپ کی ہاں نہیں سہی
سُن تو لیا ہے حالِ دل دیکھئے سُن کے کیا کہیں
پھر مرے منہ کی بات ہے کیسی ہی دلنشیں سہی
فانیؔ زار پہ کرم، تیری رضا کے ہی سپرد
ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں، نہیں سہی

○

اللہ رے نوکِ نشترِ غم کی لگاوٹیں
اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی
فانیؔ کے دل سے آیۂ لَا تَقْنَطُوا کے بعد
زاہد وہ دل فریبیٔ حُسنِ عمل گئی

○

اجل جو آئے تو اپنا بھی کام ہو جائے
تمام عمر کا قصّہ تمام ہو جائے
نگاہِ ناز کا صدقہ نیاز مند ہیں
کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے

○

بَرق دم لینے کو ٹھہرے تو رگِ جاں ہو جائے
فتنۂ حشر مجسّم ہو تو انساں ہو جائے
غم وہ راحت ہے جسے قسمت کے دھنی پاتے ہیں
دم وہ مشکل ہے کہ موت آئے تو آساں ہو جائے
عشق وہ کفر کہ ایمان ہے دل والوں کا
عقل مجبور، وہ کافر جو مسلماں ہو جائے
ذرہ وہ رازِ بیاباں ہے جو افشا نہ ہوا
دشت وحشت ہے وہ ذرّہ جو بیاباں ہو جائے
سجدہ کہتے ہیں درِ یار پہ مر جانے کو
قبلہ وہ سر ہے جو خاکِ رہِ جاناں ہو جائے
موت وہ دن بھی دکھائے مجھے جس دن فانیؔ
زندگی اپنی جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے

○

ہوش رہے نہ دوش کا فکرِ مآل رہ نہ جائے
خلوتِ یادِ یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے
عشق ہے جب جنوں تو پھر شاد ہوا ے دلِ حزیں
کوئی گلہ اٹھا نہ رکھ کوئی سوال رہ نہ جائے
تابِ نظارۂ جلال حشر میں بخش کر مجھے
شانِ جمال بھی دکھا، شانِ جمال رہ نہ جائے
نزع میں دادِ آہ دے، اب نہ حیا کو راہ دے
عہدِ کرم نباہ دے پرسشِ حال رہ نہ جائے

○

بیداد کے خوگر تھے فریاد تو کیا کرتے
کرتے تو ہم اپنا ہی کچھ تم سے گلہ کرتے
تقدیرِ محبت تھی مر مر کے جیئے جانا
جینا ہی مقدر تھا ہم مر کے بھی کیا کرتے
مہلت نہ ملی غم سے اتنی بھی کہ حال اپنا
ہم آپ کہا کرتے اور آپ سُنا کرتے
احباب سے کیا کہیئے اتنا نہ ہوا فانیؔ
جب ذکر مرا آتا، مرنے کی دعا کرتے

○

پڑتی ہیں ابھی دل پر شرمائی ہوئی نظریں
جو وار وہ کرتے ہیں بھرپور نہیں ہوتے

○

عہدِ خرد میں عشق کی رسوائیاں نہ پوچھ
آنے لگی ہے ذکرِ وفا سے حیا مجھے

ہوں وہ فریب خوردۂ رہبر کہ لاکھ بار
پلٹا کے لے چلا ہے مرا نقشِ پا مجھے

پا لیا ذوقِ طلب نے ماورائے دل مجھے
جب مجھے منزل نے کھویا، مل گئی منزل مجھے

○

حد یہ جب پہنچی نظر حدِ نظر آگے بڑھی
جو نظر آیا زیادہ کم نظر آیا مجھے

زخم کے مرہم بھی دیکھے، مرہم بے زخم بھی
زخمِ دل ہی زخم بے مرہم نظر آیا مجھے

میں نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

○

وحشتِ تازہ کا نوروز مبارک اے عشق
پھر بہار آئی مجھے خلعتِ عریانی دے

اپنے دیوانے پہ اتمامِ کرم کر یا رب
در و دیوار دیئے اب انھیں ویرانی دے

○

ادھر نہ دیکھ مجھے بے قرار رہنے دے
مِری نظر میں مرا اعتبار رہنے دے

○

یاد آجاتے ہیں جب وہ اگلی صحبت کے مزے
لوٹتا ہے دِل مرا، دوزخ میں جنّت کے مزے
صبح ہوتے ہی بُھلا دے کوئی یا رب کس طرح
رات بھر باہم شکووُں کے شکایت کے مزے
ایک غم سو راحتیں، اِک عشق سو کیفیتیں
یاس کی لذت جدا کچھ اور حسرت کے مزے
ہم ہیں اور بے تابیٔ دل، دل ہے اور دردِ فراق
وُہ ہیں اور اللہ رکھے عیش و عشرت کے مزے
ربطِ حسن و عشق سے واقف نہ تھے تو چین تھا
واقفیت میں کہاں ناواقفیت کے مزے
جمع ہیں لاکھوں حسیں، سب بے تکلّف بے حجاب
کیا ہی دلکش ہیں تماشائے قیامت کے مزے

ان سے رسم و راہ کیا جاتی رہی، جاتے رہے
خط کتابت کے مزے، صاحب سلامت کے مزے
قبر پہ آکر وہ فانیؔ بے مروت لکھ گئے
مجھ سے پوچھے کوئی لفظِ "بے مروت" کے مزے

○

کہتے ہیں جسے عشق وہ ایمان ہے اپنا
کچھ دَیر سے مطلب نہ ہمیں کام حرم سے

○

دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
ملنے کو تو ملتی ہے نظر ان کی نظر سے
امیدِ اثر اور ان آہوں کو جو نکلیں
اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے

○

دل حاصلِ حیات ہے اور دل کا ماحصل
وہ بے دلی کہ جانِ تمنّا کہیں جسے
کب تک رہینِ ذوق تماشا رہے کوئی
اب وہ نگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے
فانیؔ سکونِ موت نے دل سے مٹا دیا
وہ نقشِ بے قرار کہ دنیا کہیں جسے

○

دُوری ہی پھر اچھی تھی نزدیکیٔ منزل سے
کشتی کو ملا ساحل، ٹکرا گئی ساحل سے

شاید مرے مرنے کا دلچسپ نہ تھا منظر
آج ان سے مری حالت دیکھی گئی مشکل سے

وُہ ہم سے کہاں چھپتے ہم خود ہیں جواب ان کا
محمل میں جو چھپتے ہیں چھپتے نہیں محمل سے

غربت میں غنیمت ہے کچھ اتنا بھی نشاں فانیؔ
کچھ خاک کے ذرے ہیں لپٹے ہوئے منزل سے

○

چونک پڑتے ہیں ذکرِ فانیؔ سے
نیند اُچٹتی ہے اس کہانی سے

تیری نامہربانیوں کی قسم!
لاگ رہے دل کو مہربانی سے

ہم نے اپنا سُراغ پا ہی لیا
آپ کی شانِ بے نشانی سے

حشر کو بھی رہے دور کی نسبت
چشمِ بد دور، اس جوانی سے

مژدۂ مرگِ ناگہاں کی پناہ
فتنۂ عمرِ جاودانی سے

کاش میری زبان سے سنتے
اب جو سنتے ہو بے زبانی سے
کچھ خبر بھی ہے روٹھنے والے
زندگی روٹھتی ہے فانی سے

○

آہ سے یا آہ کی تاخیر سے
جی بہل جاتا، کسی تدبیر سے
جبر کو کیونکر نہ سمجھوں اختیار
تم نے باندھا ہے مجھے زنجیر سے
ہوشیار چرخ بے پرواخرام!
بچ کے میری خاکِ دامنگیر سے

○

اور ہو نہ ہو حاصل انتظار فردا سے
اٹھ گیا محبّت کا اعتبار دُنیا سے
ان کی دل نوازی میں کوئی شک نہیں لیکن
ان کی دل نوازی کو لاگ ہے تمنّا سے
لے ترا تصور بھی جا کے اب نہ آئے گا
رسم ہوش اٹھتی ہے عاشقی کی دنیا سے

قصۂ جنوں اب تک یاد ہے مگر اتنا
انتہا ہے ذروں پر ابتدا ہے صحرا سے
اس جگہ کو حاصل ہے اعتبار ساحل کا
حد جہاں پہ قطرے کی مل گئی ہے دریا سے
حسن کی اداؤں کو دیکھ ہی لیا ہوتا
کام آپڑا فانیؔ عشق کارفرما سے

○

بے مروّت بن کے اب کیا سوئے صحرا جایئے
لوٹتے ہیں پاؤں پر حلقے مری زنجیر کے
ضبط باقی، غم سلامت ہے تو سن لیتا کبھی
آہ گھبرا کر نکل آئی کلیجہ چیر کے
وصل سے محروم میں ہوں ورنہ گستاخی معاف
بوسے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے
مجھ کو مضطر دیکھ کر کہتا ہے قاتل پیار سے
آ، ادھر سائے میں سو جا دامنِ شمشیر کے
میرے مرتے ہی دلِ بے تاب کو چین آ گیا
زندگی صدقے میں اتری گردش تقدیر کے
یاس کے آتے ہی ارماں دل سے یہ کہہ کر چلے
ہم نہیں ساتھی تری بگڑی ہوئی تقدیر کے

دیکھ فانیؔ وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

○

سمائیں آنکھ میں کیا شعبدے قیامت کے
مری نظر میں ہیں جلوے کسی کی قامت کے
اڑا لیے ہیں کچھ انداز موت نے فانیؔ
عتاب یار کے روزِ سیاہِ فرقت کے

○

ہنگامۂ شباب ہے اے دل ذرا ٹھہر
جاتا ہے تو کہاں مجھے آفت میں ڈال کے

○

وہ مری شکایت پر چپ کھڑے ہیں محشر میں
بت انھیں بنا پایا اب خدا خدا کر کے
وہ مرے جنازے پر بعدِ مرگ آئے ہیں
مدعا ہوا حاصل ترکِ مدعا کر کے
لذّتِ فنا ہر گز گفتنی نہیں یعنی
دل ٹھہر گیا فانیؔ موت کی دعا کر کے

○

دِل کی جو حقیقت ہے کیا کہیئے حسن بھی دل ہے عشق بھی دل
ہر شمع جلائی جاتی ہے پردے میں کسی پروانے کے
بیداد پہ کٹئے اُف نہ کریں کہیئے تو تڑپ کر دَم دے دیں
کچھ شغل ہمیں بھی آتے ہیں سرکار کا دل بہلانے کے

○

پھول کو پھول جاننے والے،
کل یہ چھینٹے تھے خونِ بسمل کے
تیز تر جادۂ وفا سے گزر
مِٹ رہے ہیں نشانِ منزل کے
مِل بھی جاتے ہیں چھوٹنے والے
چھوڑ جاتا ہے یوں کوئی مل کے
خاک ہے تو اِسی گلی کی خاک
اللہ اللہ یہ حوصلے دِل کے،
ان کی نظریں ہی کچھ کہیں تو کہیں
ان کی نظروں نے کیا کیا مِل کے
مرگِ فانیؔ میں اب تو دیر نہ کر
سہل فرمانے والے مشکل کے

○

ہاں کوئی جادو جگاوے آنکھ سے
ہاں کوئی چلتا ہوا منتر چلے
خنجرِ فانی کا شکوہ کیا کریں
جیتے جی ہم دل کے ہاتھوں مر چلے
کس خوشی سے ہم چلے سوئے لحد
بعد مدت جیسے کوئی گھر چلے،
مل گئی فانی محبت کی سزا
دے کے دل ہم جان صدقے کر چلے

○

لطف، بیداد، حیا، غصہ، تغافل شوخی
رنگ کیا کیا نہ تلوّن نے ادا کے بدلے
ہائے ہیں کشتۂ انداز ہوں یارب کس کا
حور آئی مجھے لینے قضا کے بدلے
کفن اے گردِ لحد دیکھ نہ میلا ہو جائے
آج ہی ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے
عشق اللہ بچائے وہ مرض ہے فانی
زہر بیمار کو دیتے ہیں دوا کے بدلے

○

دل کی لامحدود فضا میں گم ہو جا یوں آپ کو ڈھونڈ
ہوش کے بس کا روگ نہیں ہے ہوش سے تو یہ کام نہ لے
تنگ ہے سعیِ عرضِ محبت فرضِ محبت پورا کر
اس کے سوا کچھ یاد نہ کر بھولے سے اثرؔ کا نام نہ لے
کافر صورت دیکھ کے منہ سے آہ نکل ہی جاتی ہے
کہتے کیا ہو، اب کوئی اللہ کا یوں نام نہ لے

○

دو گھڑی کے لئے میزانِ عدالت ٹھہرے
کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے
کچھ ادائیں ہیں جنہیں قتلِ عبث ہے منظور
کچھ سزائیں ہیں جو ملتی ہیں خطا سے پہلے
تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول اٹھے
وہ جو معصوم شرارت تھی ادا سے پہلے،
ہائے ان کا مری میت پہ، یہ عذرِ تاخیر
سو گئے تم، مرے دامن کی ہوا سے پہلے
دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے فانیؔ
زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے

○

اٹھ رہا حشر پر ترا دیدار،
لے ترا اعتبار کر کے چلے،

○

کچھ اور حسین ہو گئے آپ
یہ بات نہ تھی ستم سے پہلے

○

چمکا دیا ہے رنگِ چمن لالہ زار نے
شاید خزاں کو آگ لگادی بہار نے
ہر شام شامِ گور ہے ہر صبح صبحِ حشر
کیا دن دکھائے گردشِ لیل و نہار نے
ہاں ہم نہ تھے فریبِ تمنا سے بے خبر
کیا کہیے کیا کیا دلِ امیدوار نے
اپنی تو ساری عمر ہی فانی گزار دی
اِک مرگِ ناگہاں کے غمِ انتظار نے

○

اَدا سے آڑ میں خنجر کا منہ چھپائے ہوئے
مِری قضا کو وہ لائے دلہن بنائے ہوئے
بلائے جاں ہے مگر پھر بھی ہے آرزو تیری
ہم اس کو اپنے کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

تمہیں کہو تمہیں اپنا سمجھ کے کیا پایا
مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے
اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانیؔ زار
امیدِ وصل سے بیٹھا ہے لَو لگائے ہوئے

○

محشر میں جبرِ دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے
اس خاکدانِ تیرہ میں کیا ڈھونڈتا ہوں میں
پھرتا ہوں شمعِ داغِ محبّت لئے ہوئے

○

اٹھنا وہ تیرے در سے کسی نامراد کا
اِک آہِ زیرِ لب کا سہارا لئے ہوئے
فانیؔ مِری لحد پہ وہ آئے تو کس طرح
کچھ تیوروں میں شکوۂ بے جا لئے ہوئے

○

آنسوؤں پر منحصر رونا نہیں
عاشقوں کی اشک باری اور ہے

○

قدم آہستہ اے امید رکھنا خانۂ دل میں
کہ میری آرزو آغوشِ محرومی میں سوتی ہے
کلیجہ تھام لو تم تابِ شیون لا نہیں سکتے
کہ میری موت میری بے کسی سے مل کے روتی ہے

○

کاش میں واقف نہ ہوتا رسم و راہِ عشق سے
کاش تم سمجھو کہ عشقِ فتنہ گر کیا چیز ہے
کیا کہو گے گر وہ فانی حالِ دل سُن کر کہے،
ہم نے مانا دردِ دل کچھ ہے مگر کیا چیز ہے

○

کوئی دل میں نہیں آتا تو پھر یہ داغِ دل کیا ہے
بتا اے عشق، یہ کس چور کا نقشِ کفِ پا ہے
مری محرومیوں کا نبض جاری ہے رگ و پے میں
بدن میں جو لہو کی بوند ہے خونِ تمنّا ہے
تمہارے ظلم، طعنے غیر کے لوگوں کے آوازے
محبت میں دلِ مجبور کو سب کچھ گوارا ہے
اسی کو تم مگر اے اہلِ دنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں نالے
خبر دل کی نہ ہو دل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے
یہ کیا کہتے ہو فانیؔ سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

○

ترکِ غمِ ساحل کا حاصل نظر آتا ہے
لے ڈوبنے والے وہ ساحل نظر آتا ہے
آغازِ محبت میں جینے ہی کے لالے تھے
اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے
تو مستِ خود آرائی، ہم حسن کے متوالے
جو ہے تری محفل میں غافل نظر آتا ہے
موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانیؔ
گرداب کی ہر تہہ میں ساحل نظر آتا ہے

○

جب پرسشِ حال وہ فرماتے ہیں جانیے کیا ہو جاتا ہے
کچھ یوں بھی زباں نہیں کھلتی، کچھ درد سوا ہو جاتا ہے
اب خیر سے ان کی بزم کا اتنا رنگ تو بدلا میرے بعد
جب نام مرا آجاتا ہے کچھ ذکرِ وفا ہو جاتا ہے

یکتائے زمانہ ہونے پر صاحب یہ غرور خدائی کا
سب کچھ ہوئے مگر خاکم بدہن کیا کوئی خدا ہو جاتا ہے
قطرہ قطرہ ہی رہتا ہے دریا سے جدا رہ سکنے تک
جو تابِ جدائی لا نہ سکے وہ قطرہ فنا ہو جاتا ہے

○

فانیؔ خیالِ دوست سے پیدا ہے شانِ دوست
دل کا یہ فیض ہے کہ نظر کامیاب ہے

○

میں کب سے موت کے اس آسرے پہ جیتا ہوں
کہ زندگی مری، مرنے کی یادگار رہے

○

آدابِ عاشقی کا تقاضا ہے اور بات
تو ورنہ دل کی آڑ میں خود بے قرار ہے

○

ہر مژدۂ نشاط سے محروم کر دیا
ارشاد ہے کہ ہجر میں جینا ضرور ہے
تجدیدِ زندگی تو محالات سے نہیں
فانیؔ مگر یہ ان کی مروّت سے دور ہے

○

ہر تصور جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے
خاکِ دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے
شاید آ پہنچی ہے غم کی آخری منزل قریب
رخشِ ہستی کو جواب ہر سانس اک مہمیز ہے
گو نہیں جز ترکِ حسرت دردِ ہستی کا علاج
آہ وہ بیمار جو آزردۂ پرہیز ہے
مایۂ ادراکِ ہستی ہوں تکلف برطرف
زندگی میری دروغِ مصلحت آمیز ہے
مرگِ فانی کو ہے یارب آہ اب کیا انتظار
دیر سے پیمانۂ عمرِ وفا لبریز ہے

○

جو ہے شہیدِ انتظار، جو ہے ترا امیدوار
زیست بھی اس کی زیست ہے موت بھی اس کو راس ہے

○

زندگی خود کیا ہے فانیؔ یہ تو کیا کہیئے مگر
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

○

عہدِ پاک عشق میں کل تک ہوس گمنام تھی
آج اس دورِ ہوس میں عاشقی بدنام ہے

آہ اس معمورۂ عالم کی ویرانی نہ پوچھ
ہم ہیں تیری یاد ہے آگے خدا کا نام ہے
آنکھ پھر بھی منتظر ہے دل ہے پھر بھی مضطرب
خاص ہے تیری تمنّا اور تماشا عام ہے

○

قضا پہ اب ہے میری زندگی کا دار و مدار
سو وہ بھی ان کی اداؤں کے اختیار میں ہے
گناہ گار کی حالت ہے رحم کے قابل
عجیب کشمکش جبر و اختیار میں ہے
ہماری لاش مرقع ہے بے قراری کا
اک اضطراب کی صورت بھی اس قرار میں ہے
چمن سے رخصتِ فانیؔ قریب ہے شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

○

اجڑا ہے تو اب یہ کبھی آباد نہ ہوگا
میرا دل برباد ہے ویرانہ نہیں ہے
رونے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں فانیؔ
یہ ان کی گلی ہے ترا غم خانہ نہیں ہے

○

ابتدائے عشق ہے لطفِ شباب آنے کو ہے
صبر رخصت ہو رہا ہے اضطراب آنے کو ہے
ہائے کیسی کشمکش ہے یاس بھی ہے آس بھی
دم نکل جانے کو ہے خط کا جواب آنے کو ہے
بھر کے ساقی جام اک اور لا اور جلد لا
ان نشیلی انکھڑیوں میں پھر حجاب آنے کو ہے
دیکھیے موت آئے فانیؔ یا کوئی فتنہ اٹھے
میرے قابو میں دلِ بے صبر و تاب آنے کو ہے

○

مژدۂ جنت وصال ہے موت
زندگی محشرِ جدائی ہے
موت ہی ساتھ دے تو دے فانیؔ
عمر کو عذرِ بے وفائی ہے

○

اچھا یقین نہیں ہے کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

○

دنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اُجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے

عجز گناہ کے دم تک ہیں عصمتِ کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے راز بلندی پستی ہے

جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے ہیں
آگے مرضی گاہک کی اِن داموں تو سستی ہے

وحشتِ دل سے پھرنا ہے اپنے خدا سے پھر جانا
دیوانے یہ ہوش نہیں ہے یہ تو ہوش پرستی ہے

جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی اب بھی دنیا بستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ امڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے

دل کا اجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسانا کھیل نہیں، یہ بستے بستے بستی ہے

فانیؔ جس میں آنسو کیا، دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

○

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہے
جفا کم کر جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہے

محبت کی خلش کا دیکھئے انجام کیا ٹھہرے
تکلف برطرف ہر سانس نشتر ہوتی جاتی ہے

○

نہیں معلوم راہ شوق میں ہے بھی کوئی منزل
جہاں تھک کر نظر ٹھہرے وہیں معلوم ہوتی ہے
زمین حشر فانی کیا قیامت ہے معاذ اللہ
مجھے اپنے وطن کی یہ زمیں معلوم ہوتی ہے

○

موت کی حسرت بھی کیا شے ہے کہ فانی عمر بھر
ہم جفائے ہر بلائے ناگہاں دیکھا کئے

○

درمندان وفا کی ہائے رے مجبوریاں
درد دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کئے
یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں
دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کئے
رخ مری جانب نگاہ لطف دشمن کی طرف
یوں اُدھر دیکھا کئے، گویا ادھر دیکھا کئے
تو کہاں تھی اے اجل، اے نامرادوں کی مراد
مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کئے

دشمنِ جاں تھے تو جانِ مدعا کیوں ہو گئے
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے
کچھ نہ کہنا کسی مجبورِ خاموشی کا ہائے
وہ جنازے پر ترا کہنا خفا کیوں ہو گئے

○

اک فسانہ سُن گئے اک کہہ گئے
میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے
پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا،
پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے
اُٹھ گئے دُنیا سے فانیؔ اہلِ ذوق
ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

○

ہر در سے ترے طالب ناکام پلٹ آئے
کعبے میں ہے سناٹا بُت خانے کو کیا کہیئے
آبادی کی آبادی دیرانے کا ویرانہ
ارمان بھرے دل کے کاشانے کو کیا کہیئے
اُجڑی ہوئی آنکھوں میں رونق ترے دم سے تھی
ویراں ہے ہر بستی ویرانے کو کیا کہیئے

کس نے اسے دیکھا ہے اے حسرتِ نظارہ
فانیؔ تو ہے دیوانہ دیوانے کو کیا کہیئے

○

عہدِ جوانی، اور پھر دل میں ان کی محبت کیا کہیئے
دیوانے کا خواب اور وہ بھی خوابِ قیامت کیا کہیئے
حرفِ تمنا بے معنیٰ سا، نقشِ وفا سو دھندلا سا
دل کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے دل کی حقیقت کیا کہیئے
حشر بھی گزرا، حشر میں بھی یہ سوچ کے ہم نے کچھ نہ کہا
غم کی حکایت کون سنے گا، غم کی حکایت کیا کہیئے
وہ نہ سہی مغرور مگر کچھ ہمتِ عرضِ حال تو ہو
شکر کیئے بھی بن نہیں پڑتا، حرفِ شکایت کیا کہیئے
ایک غلط اندازِ نظر سے دل کی تباہی سہل نہ تھی
درد سے مل کر تو نے لٹا دی صبر کی دولت کیا کہیئے
مرگِ محبت سے فانیؔ، تکمیلِ وفا ہم کیا کرتے
ہم نے جینے ہی سے نہ پائی اب تک فرصت کیا کہیئے

○

آٹھ پہر کی یہ بے چینی یہ بے تابی کیا کہیئے
حد سے گزری دل کی خرابی، دل کی خرابی کیا کہیئے

تم کیا جانو کیا شے ہے طوفانِ سرشکِ خونیں
تم نے چمکتے ہی نہیں دیکھی دل کی گلابی کیا کہیئے
اگلے برس کے پھولوں کا کیا حشر انھیں معلوم نہیں
کلیوں کا یہ طرزِ تبسم یہ شادابی کیا کہیئے
ہوش جنھیں دل بن کر آیا ان کی تڑپ کا کیا کہنا
غم نے جنھیں بیدار کیا، ان کی بے خوابی کیا کہیئے
کتنے فتنے جمع کیئے ہیں ان کی ایک جوانی نے
چال قیامت کافر نظریں، آنکھ شرابی کیا کہیئے
خاکِ وطن ہی راس نہ آئی، غربت تو پھر غربت ہے
فانیؔ اپنی خانہ بدوشی، خانہ ویرانی کیا کہیئے

○

مری زندگی کی گھڑیاں، تری دُھن میں خوب گزریں
مری عمر کیسے کٹتی، تری یاد اگر نہ ہوتی،

○

گو ہستی تھی خوابِ پریشاں، نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اٹھتے تھے ہم گھبرا کر پھر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

○

ہے ایک میرے پاس بھی کہتے ہیں دل جسے
جامِ جہاں نما کوئی جاگیر دل کی ہے

○

ٹالا ہے مجھے، وصل کو محشر پہ اٹھا کر
آجائے اگر کل ہی قیامت تو مزا ہے

○

گو ایک ہی فتنہ ہے قامت بھی قیامت بھی
کم ہو تو قیامت ہے بڑھ جائے تو قامت ہے

اجل سے ہے دل کو، یوس کو امیدِ آسائش
مری ڈوبی ہوئی کشتی کو ساحل کی تمنا ہے

○

اے داغ دل، اے کھوئے ہوئے دل کی نشانی
آ فانیِؔ بے دل تجھے سینے سے لگا لے

○

رُباعیات

○

اِک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا
افسانۂ آرزو سنایا نہ گیا
فانیؔ ادنیٰ نہ اپنے منہ سے نکلا
احسانِ تجلّی بھی اٹھایا نہ گیا

تکمیلِ بشر نہیں ہے سلطان ہونا،
یا صفت میں فرشتوں کی نمایاں ہونا
تکمیل ہے عجزِ بندگی کا احساس
انسان کی معراج ہے انساں ہونا

○

وہ حور کو چاہا کہ پری کو چاہا
چاہا اسے، ہم نے جس کسی کو چاہا
سو رنگ سے تھی دل میں تمنا اس کی
جب اُس کو نہ چاہا، تو اسی کو چاہا

○

بندہ کوئی ایسا بھی خدا کا ہوگا
جس کا چاہا فلک کا چاہا ہوگا
مر مر کے تو ہم بھی جی رہے ہیں فانیؔ
جینے کی طرح بھی کوئی جیتا ہوگا

○

کتنوں کو جگر کا زخم سیتے دیکھا
دیکھا جسے خونِ دل ہی پیتے دیکھا
اب تک روتے تھے مرنے والوں کو اور اب
ہم رو دیئے، جب کسی کو جیتے دیکھا

سَب سے مجھے بے گانہ بنا کر چھوڑا
عبرت کا اِک افسانہ بنا کر چھوڑا
آنے نہ دیا ہوش محبت نے کبھی
آخر مجھے دیوانہ بنا کر چھوڑا

○

محکوم ہے، حاکم کی حکومت کا شکار
کمزور، نہ بردست کی قوت کا شکار
تھوڑی ہے، نہ ہو جو عورتوں پر سختی
جب تک ہیں یہ مَردوں کی جہالت کا شکار

○

کچھ خیر سے یادِ یار میں گزری عمر
کچھ موت کے انتظار میں گزری عمر
آیا بھی اگر ہوش تو بے چین رہے
کچھ نشہ میں، کچھ خمار میں گزری عمر

○

غم عین نشاط و رازِ تخلیق نشاط
غم حجتِ انبساط و تصدیقِ نشاط
غم کا ہے تبسم جسے کہتے ہیں وجود
ہستی کو ہے غم کے دم سے توفیقِ نشاط

دے کر یارب تونگری کی توفیق،
دی اہلِ تکبر کو خودی کی توفیق،
بندوں کو خدا بنا کے دیکھا تو نے
اب ان کو عطا ہو، بندگی کی توفیق

○

ہستی کے نہ آغاز، نہ انجام میں دخل
تکلیف پہ قابو ہے نہ آرام میں دخل
اک سانس پہ عمر بھر کبھی بس نہ چلا
مختار ہوں، اور نہیں کسی کام میں دخل

○

پاکیزہ ہوا کی تازگی سے محروم
دیواروں میں بند روشنی سے محروم
ہے قابلِ رحم عورتوں کی حالت
زندہ ہیں مگر ہیں زندگی سے محروم

○

اب یہ بھی نہیں کہ نام تو لیتے ہیں
دامن فقط اشکوں سے بھگو لیتے ہیں
ہم اب ترا نام لے کے روتے بھی نہیں
سنتے ہیں ترا نام تو رو لیتے ہیں

چاہے سے بدلتی ہے مشیت بھی کہیں
چھپتی ہے چھپائے سے حقیقت بھی کہیں
غم مے سے غلط نہ کر، کہ غم قسمت ہے
پلٹی ہے غلط کئے سے قسمت بھی کہیں

○

فانی جب دِل نہیں تو دنیا بھی نہیں
اَب عیش عزیز کیا، گوارا بھی نہیں
جینے کی تمنّا کو زمانہ گزرا
اب خیر سے مرنے کی تمنّا بھی نہیں

○

دُنیا اندھیر جب ہوئی جاتی ہو
امیّد بھی ساتھ چھوڑتی جاتی ہو،
سمجھو خُدا نے سُن لی دل کی فریاد
ہر چند کہ اب اُف بھی نہ کی جاتی ہو

○

کشمیر میں حالِ اہلِ کشمیر تو دیکھ
ہر پاؤں میں افلاس کی زنجیر تو دیکھ
سمجھے ہم کیا تھے، دیکھتے ہم کیا ہیں
کشمیر کے خواب، اپنی تعبیر تو دیکھ

پھولوں کی نظر نواز رنگت دیکھی
مخلوق کی دل گداز حالت دیکھی
قدرت کا کرشمہ نظر آیا کشمیر
دوزخ میں سموئی ہوئی جنت دیکھی

○

یہ رات یہ ابر یہ ہَوا کے جھونکے
یہ راگ ہوا کے ساز پر، بوندوں کے
پھر دل میں وہ یاد لے کے نشتر آئی
پھر زخم ہرے ہو کے رہے، برسوں کے

○

گو خار ہوں جب یادِ چمن آتی ہے
انگاروں پہ لوٹتے ہی بن آتی ہے
کافر ہوں جو فردوس میں چین آتا ہو
دوزخ سے بھی بوئے وطن آتی ہے

○

ہاں بعدِ خزاں بہار آجاتی ہے
اِک لمحۂ عیش، بعدِ غم، لاتی ہے
اِک اپنی ہی عید پھر نہ پلٹی ورنہ
اب تک رمضان کے بعد عید آتی ہے

بجھتی ہی نہیں شمع جلے جاتی ہے
کٹتی ہی نہیں رات ڈھلے جاتی ہے
جاری ہے نفس کی آمد و شُد فانیؔ
سینے میں چھری ہے کہ چلے جاتی ہے

○

ہر شے میں نگاہِ شوق پاتی ہے تجھے
دُوری گویا قریب لاتی ہے تجھے
پھولوں کی مہک یاد دلانے والے
پھولوں کی مہک یاد دلاتی ہے تجھے

○

عالم بدلا، قضائے عالم بدلی
ہر شے میں، بے اختیار پیہم بدلی
ہاں، اک مری تقدیر کہ بدلی ہی نہیں
اک میری طبیعت کہ بہت کم بدلی

○

کیا خضرِ طریق کہہ کے رہزن کہتے
بنتی ہی نہیں موم کہہ کے آہن کہتے
ورنہ وہ دوستوں نے ایذا دی ہے
شرم آتی ہے دشمنوں کو دشمن کہتے

ڈیل کارنیگی ——— مترجم کمال احمد رضوی

میٹھے بول میں جادو ہے

HOW TO WIN FRIENDS AND INFLUENCE PEOPLE

اس کتاب کی پچاس لاکھ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں

کروڑوں انسانوں نے اس کتاب سے روشنی پائی ہے، گمنامی کے اندھیروں سے نکلے ہیں اور شہرت سے ہمکنار ہوئے ہیں۔

یہ کتاب بارہ طریق سے آپ کی مدد کرتی ہے

۱۔ آپ میں نئے خیالات نئے نظریات اور نئے ارادے موجزن ہو جائیں گے (۲) لوگ آسانی اور جلدی سے آپ کے دوست بننے لگیں گے (۳) آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہو جائیگا ۴۔ لوگوں کو ہم خیال بنانے میں آپ آسانی محسوس کریں گے (۵) لوگوں سے کام لینے کی اہلیت آپ کے اثر و رسوخ اور ساکھ میں اضافہ ہو جائے گا (۶) آپ اپنے پرانے اور نئے معاونین کے لئے کشش کا باعث بن جائیں گے (۷) آپ کی آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا (۸) آپ پہلے کے مقابلہ میں بہتر منتظم بن جائیں گے (۹) لوگوں سے خوش گوار اور ہموار تعلقات قائم رکھنے میں دقّت پیش نہ آئے گی (۱۰) بہتر مقرر بننے میں مدد ملے گی، آپ کی گفتگو میں لوگ دلچسپی لیں گے ۱۱۔ روزمرہ کی زندگی میں نفسیات کے اصول برتنا آسان ہو جائے گا۔ (۱۲) آپ اپنے ساتھیوں میں نئے ولولے اور نئی امنگیں پیدا کر سکیں گے۔

لکھائی چھپائی عمدہ ضخامت ۴۰۵ صفحات۔ مجلد ایڈیشن ——— میری لائبریری